عظمتِ قرآنِ کریم

حافظ محمد یونس

شعبۂ دعوت و اِرشاد

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اِسلام آباد
(پاکستان)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ادارہ تحقیقات اسلامی کے شعبہ دعوت و ارشاد کی یہ تازہ پیش کش اس اعتبار سے خصوصیت کی حامل ہے کہ اس کا موضوع کتاب ہدایت قرآن کریم ہے جس کی نسبت خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقی (طٰہٰ۔ آیت ۱۲۳) جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ اس کے نصیب برے ہوں گے۔

قرآن سرچشمہ ہدایت ہی نہیں خزینہ حکمت بھی ہے۔ اس کے فضائل بے حساب اور اس کی برکتیں لامتناہی ہیں۔ ھذا بحر لا تنقضی عجائبہ۔ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کریم ایک بحر بیکراں ہے جس کے اسرار و حکم کا احاطہ کرنا انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔ اس کے مخفی خزانوں کا علم اللہ سبحانہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر ان کو حیطۂ تحریر میں لانے کے لئے سمندر سے روشنائی کا کام لیا جائے تو سمندر ختم ہو جائے اور اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں۔ اگرچہ اس جیسے روشنائی کے اور بھی سمندر ہوں۔ لو کان البحر مدادا لکلمات ربہ ..... الآیہ

اسی لئے انسانی سطح پر قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوششوں کا سلسلہ زمانہ نزول سے اب تک برابر جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ جہاں تک قرآن مجید کے اس پہلو کا تعلق ہے کہ وہ کتاب ہدایت ہے تو اس اعتبار سے وہ مشکل نہیں آسان ہے اس کا نازل کرنے والا خود کہتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر۔ ہم نے یاد دہانی اور سبق آموزی کے لئے قرآن کو سہل الحصول بنایا ہے۔ یہ بھی قرآن کا ایک اعجاز ہے کہ بقدر ظرف و ہمت ہر آدمی اس کے خرمن سے خوشہ چینی کر سکتا ہے اور اس کے خزانوں سے اپنا دامن بھر سکتا ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے رفیقِ کار قاری حافظ محمد یونس صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے عظمتِ قرآن لکھ کر قرآن کریم کی اہمیت کو دلوں میں بٹھانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے خود ان کے لئے اور عامۂ مسلمین کے لئے باعث خیر و برکت بنائے۔ ہم حافظ صاحب کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ادارے کے تفویض کردہ طویل المیعاد اور قیصر المیعاد منصوبوں کی تکمیل نیز دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ یہ مفید خدمت سرانجام دی۔ ان کی بدولت ادارے کے شعبہ دعوت وارشاد کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں ایک مفید کتاب کا اضافہ کرے۔

ہم حضرت مولانا عبدالقدوس قاسمی کے بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست پر وقت نکال کر اس کتاب کے مسودے کو پڑھا، ترامیم اور اصلاحات تجویز فرمائیں اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ جس سے کتاب کی علمی حیثیت اور تبلیغی افادیت میں معتدبہ اضافہ ہوا۔

ادارے کے پریس منیجر ظفر علی اور ان کے ماتحت عملے کا شکریہ بھی لازم ہے جنہوں نے اس کتاب کو اچھی طباعت سے آراستہ کیا۔

آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ادارہ تحقیقات اسلامی کے کارکنوں کو اپنی کتاب کی خدمت کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ اس کے درس و مطالعہ، فہم اور تعلیم و تدریس کے لئے ہمارے سینے کھول دے کہ یہ ہمارے لئے دنیوی سعادت اور اخروی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے۔

(عبدالواحد ہالے پوتا)

ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

باسمہ سبحانہ

مقدمہ

مسلمانوں کے لئے قرآن ہی سرچشمہ ہدایت ہے۔ اُس کی پیروی سے مسلمان صراطِ مستقیم پر چل سکتے ہیں۔ قرآن پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ انسان اُسے سمجھے۔ اور پھر اُس پر عمل کرے۔ قرآنِ حکیم کو قصصِ انبیاء کی کتاب سمجھ لینا اور حکمت کی جو بلیغ باتیں اس میں درج ہیں اُن سے آنکھیں بند کر لینا، اس کی صحیح اہمیت اور حقیقت سے انکار کر دینا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمانوں کا عمل قرآن پر ہو۔ ہماری اخلاقی اور معاشرتی اصلاح بھی انہی اُصول پر عمل پیرا ہونے سے ممکن ہے، جو قرآنِ حکیم میں درج ہیں، جن کی وجہ سے عرب کے اکھڑ اور جاہل بدّوؤں کو دُنیا کی قوموں میں امتیاز حاصل ہوا جس کی تاریخ شاہد ہے۔ انہی اُصولوں کی پیروی اور توسیع ہماری دنیوی ترقی اور دینی نجات کا موجب بن سکتی ہے۔ ہمیں الفاظ کے ساتھ ارشاداتِ قرآنی کی رُوح کا احترام بھی کرنا ہے جو نزولِ قرآن کا اصل مقصد ہے۔ قرآن ایک کتابِ ہدایت ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ وہ صاف اور واضح ہے۔ ہمیں اس سے اسرارِ حیات اخذ کرنے چاہئیں۔ قرآن ایک مکمل اور جامع حقیقت کا بیان ہے۔ انسان کی ترقی کے لئے جس اصلاحِ باطن اور ظاہری اعمال کی درستی ضروری ہے، وہ سب اِس میں موجود ہے۔

قرآن دُنیا میں سب سے زیادہ اُمید افزا مذہبی کتاب ہے۔ مومنوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ کوئی فکر نہ کریں۔ اللہ مومنوں کو دین و دنیا کی نعمتیں دے گا۔ اور وُہ اپنے وعدوں کو ضرور پُورا کرے گا۔ یہ رجائیت خالص اسلامی اور تعلیماتِ قرآنی پر مبنی ہے جو ہمیں اُمید، ہمت اور جرأت کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کرتی رہتی ہیں۔ قرآن کا پیغام انتہائی حیات افزا ہے، جو عمل کی قوتوں کو اُبھارتا ہے اور صبر و استقلال کو مومن کی خاص علامات قرار دیتا ہے۔ وہ اسلام کو خدا کا آخری پیغام بتاتا ہے جس کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور خدا نے اپنے وعدوں کے متعلق اصرار سے فرمایا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو ضرور پورا کرے گا۔ قرآن کو سمجھنے اور اُس کے ارشادات پر عمل کرنے سے ہی دُنیا میں مسلمانوں کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اور دُنیائے اسلام صحیح طور پر ترقی کی منازل طے کر سکتی ہے۔

مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی ترقی اور دینی اور دنیوی فلاح قرآن کے بنیادی اصولوں کو محکم طریق پر پکڑنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ دنیوی خوبیوں سے بہرہ ور ہو کر ہی خلیفۃ الٰہی کے ممتاز لقب سے سرفراز ہونے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی تعلیمات تمام نوعِ انسانی کے لئے ہیں جو جماعت اِن حقائق ابدی پر عمل کرتی ہے، جو قرآن نے پیش کئے ہیں تو ناممکن ہے کہ وہ جہاں تک اُن پر عمل پیرا ہو وہاں تک وہ کامیاب نہ ہو۔ اِسی طرح وہ قومیں جو اپنے تئیں مسلم کہتی ہیں۔ مگر تعلیماتِ قرآن کو پس پشت ڈال کر اُن کی خلاف ورزی کرتی ہیں تو ناممکن ہے کہ وہ ذلیل و خوار نہ ہوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے جس جس شعبۂ زندگی میں قرآنِ حکیم کے اصولوں پر عمل کیا ہے۔ اُس اُس شعبۂ زندگی میں اُن کی ترقی نمایاں رہی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مسلمانوں نے قرآن کی رہنمائی، فلاح و سعادت اور دنیوی ترقی اور عالم کی خلافت حاصل کی تھی، تو اب بھی انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہم ضرور فلاح و بہبود سے اُسی طرح ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی مطابقت میں ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے جس طرح زندگی بسر کی۔ وہ نہ صرف مثالی ہے بلکہ حضور کو انسانِ کامل کا درجہ دیتی ہے جس کا اتباع ہم سب پر فرض ہے۔

مجھے یہ اعتراف ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں جتنا کچھ قرآنِ کریم کے علوم و معارف، فضائل و تعلیمات اور اسرار و حکم کے بارے میں لکھا گیا ہے، اس کا احاطہ ممکن نہیں، کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر محیط ایسی جامع اور مبسوط کتاب لکھ دے۔ جسے حرفِ آخر کہا جا سکے تو یہ امر یقیناً ناممکن ہے۔

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ ایک وقت اور ایک دور میں جو مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کسی دوسرے دور میں وہ عوام، علماء و دانشور اور اہلِ علم و فضل کی نظر میں زیادہ وقعت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کی وضاحت و تشریح کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

پھر اس حقیقت سے گریز بھی ممکن نہیں، کہ آج کے مشینی دور میں لوگوں کے لئے طویل اور ضخیم و دقیق کتابیں پڑھنا خاصا دشوار مسئلہ بن گیا ہے۔ اس لئے اب ضرورت اس بات کی ہے، کہ ضخیم کتابوں کے بجائے ایسے مختصر مگر جامع مضامین اور کتابچے لکھے جائیں جو عام فہم ہوں، اور ایک نشست میں پڑھے جا سکیں، ان میں بھی ان پہلوؤں کو زیادہ اجاگر

کیا جائے جن میں عوام تشنگی محسوس کرتے ہیں میں نے بھی اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اور قرآنِ کریم کے بارے میں وہ بنیادی اور ضروری معلومات عام فہم مگر علمی اور شگفتہ انداز اور سادہ زبان میں پیش کرنے کی جسارت کی ہے جن کو علماء و سکالر حضرات نے بہت کم اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد میں جہاں رُشد و ہدایت اور علوم و فنون کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ وہاں تحقیق و فتاویٰ اور دستور و قوانینِ اسلامی جیسے اہم امور کے دھارے بھی بہتے ہیں، یہ ایک مثالی ادارہ ہے جو پوری دنیا کے لئے توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس میں ایک ایسا شعبہ بھی قائم ہے جس کا مقصد دعوت و ارشاد ہے جو عوامی سطح پر اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے میں اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ خصوصاً جدید مسائل سے آگاہ کرنے اور نئی نسل کے ذہنوں کو اسلامی سانچے میں ڈھلنے کے لئے پوری تگ و دو اور جد و جہد سے کام لے رہا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ پندرہویں صدی ہجری کے پہلے رمضان المبارک میں جو کہ قرآن کریم کی سالگرہ کا مہینہ ہے، ادارہ ہذا کی طرف سے اہل وطن کے لئے ایک مبارک اور گراں قدر تحفہ ہوگا، میں ادارہ ہذا کے سربراہ جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد جے ہالے پوتا اور سیکرٹری جناب محمد سمیع اللہ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی خصوصی توجہ اور سرپرستی سے "عظمتِ قرآنِ کریم" زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ میں حضرت مولانا سید عبدالقدوس قاسمی کا بھی ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے مسودے پر نظرِ ثانی فرمائی اور اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ ادارے کے شعبۂ دعوت و ارشاد کے اراکین بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں جن کے تعاون اور مفید مشوروں سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

پروردگارِ عالم ہماری مساعی کو شرفِ قبولیت بخشے اور ادارہ کے فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے اور ہم سب کو اطاعت اللہ اور اطاعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

حافظ محمد یونس

ریسرچ فیلو

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

الکتاب

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ جیسے "ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ"[1] کی آیت میں "الکتاب" (مکمل کتاب) کا لقب دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تعلیمات "الکتاب" کی شکل میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔ تمام انسان بحیثیت بندگانِ خدا اِن تعلیمات کے ہمیشہ محتاج ہوں گے۔

پہلی الہامی کتابوں کے متعلق تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ اصل صورت میں دُنیا میں موجود ہیں بھی یا نہیں۔ مگر جہاں تک قرآنِ عزیز کا تعلق ہے وہ ایک نُقطے اور شوشے کی تبدیلی کے بغیر ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔[2]

(یقیناً ہم نے قرآن مجید نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ۔[3]

(یقیناً اِس قرآن کا جمع کرنا اور اِس کو سکھانا ہمارا ذمہ ہے)۔

جس کتاب کی حفاظت خود اللہ کے ذمہ ہو جس کی تعلیم کا انتظام خود وُہی ذاتِ پاک کرے اُس کی عظمت اور نفع رسانی سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔

---

[1]: سورۃُ البقرۃ آیت = ۱   [2]: سورۃُ الحجر آیت = ۹

[3]: سورۃُ القیامۃ آیت = ۱۷

الٰہی منشور

اب الکتاب یعنی قرآنِ مجید ہمیشہ کے لئے انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے ایک الٰہی منشور ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء کرامؑ آئے، اُن کی تعلیمات کا نچوڑ اور اُن کی لائی ہوئی کتابوں کا خلاصہ اس میں موجود ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے ایک کتابِ ہدایت اور نورِ مُبین کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور رہے گا۔ اِس کتاب کا تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ تاریخی کسوٹی پر پرکھی جا چکی ہے۔ اِس کتاب نے آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے وحشی بدّوؤں کو دُنیا میں سب سے زیادہ شائستہ، تہذیب یافتہ اور نوعِ انسانی کا ہمدرد بنایا۔ اُن کو صحرا نوردی اور آوارگی کی زندگی کے اندھیروں سے نکال کر ایک وسیع اور عالمگیر سلطنت کا مالک بنا دیا۔ اور اُن سلطنتوں کے تخت، جو فرعون۔ نمرود اور شدّاد کا نمونہ تھیں، اِنہی عاجز اور بے سروسامان بندوں کے پاؤں تلے روندے گئے۔ اِس طاقت اور اِس رُوحانیت کی بنیاد قرآن پاک کی تعلیم تھی یہ ایمان کی مضبوطی، ارادوں کی بلندی اور دینی و دُنیوی ترقّی، اِس نسخۂ کیمیا کا مُعجزہ تھا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اِس "الکتاب" کی صورت میں اپنے ساتھ لائے۔ مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اِس کتاب اور اِس کی تعلیم کے اثر کو یوں بیان کیا ہے[1]

اُتر کر حِرا سے سوئے قوم آیا — اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِسِ خام کو جس نے کُندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اِک آن میں اُسکی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون

قرآنِ کریم کے خُدائی احکام اور ہمیشہ کے لئے ایک اٹل قانون ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔

---

[1]: مُسدّس حالی از مولانا الطاف حسینؒ حالی

کہ اِس کے قوانین میں ردّو بدل کی ضرورت نہیں۔ وہ جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے قابلِ عمل تھے، اُسی طرح آج بھی ہیں۔ بخلاف دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے کہ وہ قوموں، مُلکوں اور زمانے کے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

عالمگیر دعوت

قُرآنِ مجید سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں ہیں۔ اور حضرت مُحمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے جتنے انبیاؑ اور رسولؑ گذرے ہیں۔ اُن کی دعوت ایک محدود رقبے اور کسی خاص قوم کے لئے ہوتی تھی۔ مگر قُرآنِ پاک کی دعوت اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت و رسالت عالم کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں تمام قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے یکساں ہے۔ چنانچہ قُرآن مجید میں اِس کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔[1] (یعنی ہم نے آپؐ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔)

آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دُنیا کے لوگوں کو خُوش خبری سُنا دی جائے، اور قوانینِ الٰہی کی مخالفت سے ڈرا دیا جائے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

جِنّات کو قُرآن کی دعوت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت انسانوں تک ہی نہیں جنوں تک بھی پہنچی۔ قرآن مجید میں اِس کا ذکر ہے کہ اِس کتاب کی آیات سُن کر جنّ بھی ایمان لے آئے۔

ارشادِ باری ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۔ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا

[1] : سورۃ سبا آیت = ۲۸

أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ـ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ـ وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [1]

(اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپؐ کی طرف متوجہ کر دیا کہ وہ آپؐ کی قرأت سن رہے تھے۔ جب وہ (جن) وہاں آگئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ رہے تھے۔ تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو کر سنو اور جب صبح کے وقت آپؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرا کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ چنانچہ کہنے لگے۔ اے ہماری قوم! ہم نے آج وہ کتاب الٰہی سنی ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے۔ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور دین حق کی راہ دکھاتی ہے۔ اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسولؐ مان کر اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ گناہوں کو معاف کر کے تمہیں دوزخ کے دردناک عذاب سے نجات دے گا۔ اور جو کوئی اس نبیؐ برحق کو نہیں مانے گا۔ تو وہ نہ تو زمین میں بھاگ کر اللہ کے عذاب سے خود ہی بچے گا۔ اور نہ کوئی اللہ کے سوا اس کا مددگار ہوگا۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔)

قرآنی تعلیمات

قرآن کریم نے برسوں کی گمراہی اور توہم پرستی کے پردے کو چاک کر ڈالا۔ اس نے لوگوں کو ایک خدا سے روشناس کرایا، اس خدا سے جس کو بندوں نے بھلا دیا تھا۔ مسلمانوں نے جس وقت قرآن مجید کی مشعل کو ہاتھ میں لے کر ترقی کرنے کا ارادہ کیا تو دنیا میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تمام قوموں اور ملکوں کو پستی نے گھیر رکھا تھا۔ خیالات فرسودہ تھے۔ انسان کو خود اپنی خودی کا علم نہیں تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کے آگے سر جھکاتا تھا۔

---

[1]: الاحقاف، آیت = ۲۹ تا ۳۲۔

قرآن مجید نے آکر حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹایا، انسان کو اپنی برتر حیثیت سمجھا دی۔ اور فرمایا،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[1]

(بے شک ہم نے انسان کو بہترین انداز سے میں پیدا کیا ہے)

قرآن مجید میں سیاست کے تمام گُر، تمدّن کے تمام ابواب، معاشرت اور اطاعت الٰہی کے تمام اُصول کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ وہ امن و انصاف کا سب سے بڑا حامی ہے، وہ فتنہ و فساد اور کفر و شرک کو قتل سے زیادہ خطرناک قرار دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک سب سے بڑا جُرم خُدا کو فراموش کر دینا ہے۔ کیونکہ جب انسان خُدا کو فراموش کر دیتا ہے تو دُنیا میں قتل و غارت لوٹ کھسوٹ اور بے حیائی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے مروّت و اخلاق کا بہت بلند معیار قائم کیا ہے۔ اُس نے سُود کو حرام قرار دے کر غریبوں پر رحم کیا ہے۔ اُس نے عورتوں پر سے زمانۂ جہالت کی سختی اور ناروا سلوک کا خاتمہ کر دیا۔ اُس نے طلاق اور خُلع کی حدود متعیّن کر کے عورتوں کو اُن کے جائز حقوق دلوائے، اُس نے عورت کو گھر کی زینت قرار دیا، جایئداد میں عورت کو حصہ دار ٹھہرایا۔ اس نے اکلِ حلال کو لازم قرار دیا، قرض دار کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں، جہانداری اور جہان بانی کے اُصول سکھائے۔ محکوم قوموں کے ساتھ انصاف کے سلوک کی تاکید کی۔ یتیموں سے پیار و محبت کرنا سکھایا۔ وصیّت کی ایک حد قائم کی، ہمسائے کے حقوق کو وضاحت سے بیان کیا، غیبت سے نفرت دلائی، ایک دوسرے کا نام دھرنے کی مخالفت کی۔ گالی گلوچ کو ممنوع قرار دیا، وعدہ کو پورا کرنے اور سچ بات کہنے کی تاکید کی، چوری، ڈاکہ اور زنا کی سزائیں مقرّر کیں۔

ہر اَمر میں خُدا سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی، والدین کے حُقوق کی وضاحت کی، اُن کے ادب و احترام کی یہاں تک تاکید کی کہ اُن کو اُف تک کہنا بھی ممنوع قرار دیا، سخاوت اور بُخل کا معیار قائم کیا۔ غرض قُرآن کی تعلیم نے اخلاقِ انسانی کو وہ جِلا دی کہ انسان کو فرشتوں سے بڑھا دیا۔ ایسی عجیب و غریب تعلیم،

---

[1] سورۃُ التّین آیت ۔ ۵

دُنیا کی کسی کتاب میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں نے دورِ جہالت کو مٹا کر ایسا جہان بسایا، جس کی بُنیاد خُدا ترسی، خُدا پرستی، امن، انصاف اور راحت و سکون پر تھی۔

ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیابی اور دینی اور دُنیوی فلاح اِس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" یعنی قرآنِ مجید میں جو ضابطۂ حیات ہمارے لئے وضع فرما دیا ہے اُس کی پابندی کریں۔

قُرآنِ پاک کے نام

قُرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایسی بلند پایہ کتاب عزیز ہے کہ

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ [1]

(باطل نہ تو اُس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے۔ یہ تو حکیم حمید کی بارگاہ سے نازل کردہ کتاب ہے اور پروردگارِ عالم کی ذاتی صفت ہے۔)

امام بیہقیؒ کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں۔ اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ صِفَةٌ مِّنْ صِفَاتِ ذَاتِهٖ۔ [2]

("قرآن" اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اُس کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے۔)

اِس وجہ سے یہ کلام پاک بھی اُسی عظمت و برتری کا مستحق ہے جو خُداوند تعالیٰ کی ذاتِ کریم کے لائق ہو۔ قُرآنِ مجید میں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ، اُس کی صفات اور عظمتوں کا ذکر ہے اُسی طرح اِس پاک کتاب کی خصوصیات اور خُوبیوں پر دلالت کرنے والے مختلف القاب اور نام خود مالکِ حقیقی نے تجویز کئے ہیں۔

جاحظ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام "قرآن" ایسا نرالا اور بے مثال رکھا ہے۔ کہ اِس سے پہلے نہ تو عرب کے لوگ ہی اپنے کلام کے مجموعوں کا یہ نام رکھتے تھے اور نہ ہی کبھی دُنیا میں کسی کتاب کا یہ نام رکھا گیا۔ [3]

---

[1]: حٰمٓ السجدۃ آیت = ۴۲ [2] کتاب الاعتقاد از امام بیہقیؒ

[3]: الاتقان از علامہ سیوطیؒ ص ۵۱ - ج - ۱

یعنی جیسا نرالا اور بے مثال کلام تھا ویسا ہی نام بھی بے مثال اور انوکھا رکھا گیا۔ شیخ ابوالمعالی عزیز بن عبدالملکؒ بیان کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کے پچپن۵۵ نام ایسے ہیں جو خود اُس کی آیاتِ کریمہ میں ذکر ہیں۔ [لے]

آیاتِ کریمہ جن میں قرآنِ مجید کے نام ہیں

نام	آیتِ کریمہ	سورۃ
۱۔ اَلْكِتَابُ	ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ	(البقرۃ آیت = ۲)
۲۔ اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى	فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى	(" " = ۲۵۶)
۳۔ اَلْعِلْمُ	مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	(آلِ عمران آیت = ۶۱)
۴۔ اَلْقَصَصُ	اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ	(" " ۶۲)
۵۔ اَلْحَقُّ	" " "	(" " ")
۶۔ بَيَانٌ	هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ	(" " ۱۳۸)
۷۔ مُنَادِيٌ	اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ	(" " ۱۹۳)
۸۔ نُوْرٌ	وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا	(النساء آیت = ۱۷۵)
۹۔ مُهَيْمِنٌ	وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	(المائدۃ آیت = ۴۸)
۱۰۔ صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ	اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا	(الانعام آیت = ۱۵۳)
۱۱۔ عَدْلٌ	وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا	(" " = ۱۱۶)
۱۲۔ كَلَامُ اللّٰهِ	حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ	(التوبۃ = ۶)
۱۳۔ اَلْحَكِيْمُ	تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ	(یونس آیت = ۱)
۱۴۔ هُدًى ۱۵۔ رَحْمَةٌ ۱۶۔ شِفَاءٌ ۱۷۔ مَوْعِظَةٌ	قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔	(یونس آیت = ۲)

لے: کتاب البرہان۔ الاتقان جلد اوّل از علامہ سیوطیؒ

۱۸۔ عَرَبِیٌّ	اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا	(یوسف آیت = ۲)
۱۹۔ بَلٰغٌ	هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ	(الحجر آیت = ۵۲)
۲۰۔ اَلْقُرْاٰنُ ۲۱۔ هَادِیْ	اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ	(بنی اسرائیل آیت = ۹)
۲۲۔ قَيِّمٌ	وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ	(الکہف آیت = ۱-۲)
۲۳۔ وَحْیٌ	قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ	(الانبیاء آیت = ۴۵)
۲۴۔ ذِكْرٌ ۲۵۔ مُبٰرَكٌ	وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ	(ایضاً۔ آیت = ۵۰)
۲۶۔ اَلزَّبُوْرُ	وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ (مراد قرآن)	(ایضاً۔ آیت = ۱۰۵)
۲۷۔ اَلْفُرْقَانُ	تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ	(الفرقان آیت = ۱)
۲۸۔ تَنْزِيْلٌ	وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	(الشعراء آیت = ۱۹۲)
۲۹۔ هُدًى ۳۰۔ بُشْرٰى	هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ	(النمل آیت = ۲)
۳۱۔ اَلْقُرْاٰنُ الْحَكِيْمُ	يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ	(یٰس آیت = ۱ - ۲)
۳۲۔ نَبَاٌ عَظِيْمٌ	قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ	(صٓ آیت = ۶۷)
۳۳۔ اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ	اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ	(الزمر آیت = ۲۳)
۳۴۔ مُتَشَابِهٌ	كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا	(ایضاً ")
۳۵۔ صِدْقٌ	وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ	(الزمر آیت = ۳۳)
۳۶۔ بَشِيْرٌ ۳۷۔ نَذِيْرٌ	قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا	(حٰمٓ السجدہ آیت = ۳-۴)
۳۸۔ عَزِيْزٌ	وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ	(حٰمٓ السجدہ آیت = ۴۱-۴۲)

نام	آیت	حوالہ
۳۹- رُوح	رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا	(الشوریٰ آیت = ۵۲)
۴۰- اَلْكِتَابُ الْمُبِيْنُ	حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ	(الزخرف آیت = ۱-۲)
۴۱- اُمُّ الْكِتَابِ	وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتَابِ	(الزخرف آیت = ۴)
۴۲- عَلِيٌّ	لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ	
۴۳- بَصَائِرُ	هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ	(الجاثیہ آیت = ۲۰)
۴۴- تَبْصِرَةٌ	تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ	(قٓ آیت = ۸)
۴۵- حِكْمَةٌ	حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ	(القمر آیت = ۵)
۴۶- ذِكْرٰى		
۴۷- اَلْقُرْاٰنُ الْكَرِيْمُ	اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ	(الواقعہ آیت = ۷۷)
۴۸- اَمْرٌ	ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ	(الطلاق آیت = ۵)
۴۹- عَجَبٌ	قُرْاٰنًا عَجَبًا	(الجن آیت = ۱)
۵۰- صُحُفٌ مُّكَرَّمَةٌ	فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ	
۵۱- مَرْفُوْعَةٌ	مَّرْفُوْعَةٍ	(عبس آیت = ۱۳-۱۴)
۵۲- مُطَهَّرَةٌ	مُّطَهَّرَةٍ	
۵۳- مَجِيْدٌ	بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ	(البروج آیت = ۲۱)
۵۴- قَوْلٌ فَصْلٌ	اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ	(الطارق آیت = ۱۳)

نزولِ قرآن

قرآنِ کریم وہ کلامِ الٰہی ہے جو لوحِ محفوظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[1] (بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے)

[1]: سورۃ البروج آیت = ۲۱

لوحِ محفوظ

لوحِ محفوظ تمام عُلوم الٰہیّہ تقدیری و تکوینی اُمور، ہر ایک کی موت و حیات، اور بقا و فنا غرض قیامت تک پیش آنے والے جملہ احوال کا خزانہ اور سرچشمہ ہے۔ خُداوند کریم کا ارشاد ہے۔ وَکُلُّ صَغِیۡرٍ وَّکَبِیۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ [۱] ۔ (اور ہر چھوٹی اور ہر بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔)

دوسری جگہ فرمایا۔

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا [۲]

(مُلک میں اور تُمہاری جانوں میں جو آفت اور مصیبت بھی پہنچتی ہے، قبل اِس کے کہ ہم اُس کو دُنیا میں پیدا کریں وُہ کتابِ الٰہی میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔) یعنی ہر چیز لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔

لیلۃُ القدر میں نُزول

لوحِ محفوظ سے قُرآنِ کریم سب سے پہلے آسمانِ دُنیا پر اُتارا گیا۔ یہ نُزول لیلۃُ القدر میں ہوا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ [۳]۔

(ہم نے قرآنِ کریم کو لیلۃُ القدر میں نازل کیا۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ [۴]۔

(ہم نے اِس کو مُبارک رات میں نازل کیا)۔

مُفسّرین یہی فرماتے ہیں کہ لیلۃُ القدر ہی مراد ہے۔ جس میں تمام قرآنِ کریم بیک وقت آسمانِ دُنیا پر اُتارا گیا اور لیلۃُ القدر میں جس جگہ نازل کیا گیا وہ بیتُ العزّۃ ہے۔ شعبیؒ سے یہی منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام قرآنِ کریم کو سب سے پہلے آسمانِ دُنیا میں بیتُ العزّۃ کی طرف لے کر آئے۔ اور وہاں

---

[۱]: سورۃُ القمر آیت = ۵۳ [۲]: سورۃُ الحدید آیت = ۲۲

[۳]: سورۃُ القدر آیت = ۱ [۴]: سورۃُ الدخان آیت = ۳

تمام فرشتوں کو لکھوایا جو خُدا کے احکام کے قاصد و پیامبر سَفَرَۃً اور کِرَامًا کَاتِبِیْنَ اور اُمورِ الٰہی کی کتابت کرنے والے تھے۔

حسبِ ضرورت نزول

پھر اُس کے بعد آسمانِ دُنیا سے زمین پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا ۲۲ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دن کے عرصہ میں نازل ہوا۔ اِس میں پونے تین سال "فترتِ وحی" کی مدت بھی شامل ہے جیسی ضرورت ہوتی اور جیسا موقع ہوتا۔ اُس ضرورت اور مواقع کے اعتبار سے قرآنِ کریم کا نُزول ہوتا تھا کبھی دو چار آیات، کبھی ایک ایک دو دو رُکوع اور کبھی پُوری پُوری سُورتیں حسبِ ضرورت اللہ ربّ العزت کی حکمت اور مصلحت کے مطابق نازل ہوتی رہیں۔ حضرت عکرمہؓ بھی حضرت ابن عباسؓ سے یہی بیان کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم پہلے پہلے پُورا بیک وقت آسمانِ دُنیا پر لیلۃُ القدر میں نازل کر دیا گیا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت نازل ہوتا رہا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔ [ل]

(اے ہمارے پیغمبرؐ جب بھی یہ لوگ آپؐ کے پاس کوئی سوال یا اعتراض لے کر آئیں تو ہم آپؐ کے پاس حق لے کر آئیں گے اور اِن کے سوال اور اعتراض کا بہتر جواب دیں گے۔)

اس کے بعد ایک دوسری آیت تلاوت کی۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا۔ [ل۲]

(اور ہم نے قرآنِ کریم ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا تاکہ آپؐ اِس کو لوگوں پر بتدریج اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کریں اور ہم نے اِس کو تھوڑا تھوڑا اُتارا ہے۔)

عظمتِ قرآن

اللہ تعالیٰ کا اپنے کلام اور قرآنِ کریم کو پہلے لوحِ محفوظ میں رکھنا۔ پھر لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ

ل: سورۃ الفرقان آیت = ۳۳
ل۲: بنی اسرائیل آیت = ۱۰۶

کی طرف نازل فرمانا اور پھر جبرائیلؑ امین کے ذریعہ رسولِ کریمؐ پر اُتارنا، قرآنِ کریم کی عظمت و برتری کی وجہ سے ہے تاکہ آسمانوں میں رہنے والے فرشتے جان لیں کہ اللہ کا یہ کلام خاتم الانبیاء اور افضل المرسلینؐ پر نازل کیا جا رہا ہے۔ اور زمین پر بسنے والی مخلوق جنّ والنس بھی عظمتِ قرآن کا مشاہدہ کرے۔ کیونکہ کوئی اہم اور ضروری چیز ہی بار بار مختلف دستاویزوں اور دفاتر میں منتقل کی جاتی ہے اور متعدد دفاتر میں اُس کو سر مُہر کرنے کے بعد جاری کیا جاتا ہے۔ شاہی فرامین میں جو اہم ترین فرمان ہوتے ہیں۔ اُن کا نفاذ بیک وقت اچانک نہیں ہوتا بلکہ اُسی طرح بتدریج اور متعدد دفتروں میں اُس کو بھیجنے اور سر مُہر کرنے کے بعد جاری کئے جاتے ہیں

بتدریج نزول کی حکمت

تمام پہلی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر بیک وقت نازل کی گئیں۔ جبکہ قرآنِ کریم کا نزول مختلف اوقات میں تقریباً تیئس (۲۳) سال میں پورا کیا گیا۔ علامہ ابو شامہ نے "المرشد الوجیز" میں لکھا ہے کہ۔ "اس صورت میں قرآنِ کریم کا حفظ بھی آسان ہو گا۔ اور حسبِ ضرورت مضامین کا نزول اور اس ضمن میں مشرکین اور کفار کی طرف سے پیدا ہونے والے اعتراضات و اشکالات کا جواب اور حل اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا کامل ترین ثبوت ہو گا"۔ چنانچہ مشرکین کے ایک اعتراض کے جواب میں قرآنِ کریم نے یہ حکمت بیان فرما دی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا۔ [۱]

(اور کافروں نے کہا کہ آپؐ پر یہ قرآن بیک وقت پورے کا پورا کیوں نازل نہیں کر دیا گیا (جواب دیا گیا) بس اسی طرح طے ہوا کہ ہم تھوڑا تھوڑا کر کے اُتاریں۔ تاکہ اس قرآن کے ساتھ ہم آپؐ کے دل کو مضبوط رکھیں۔ اور ترتیل و خوبی کے ساتھ ہم اس کی تلاوت کریں)۔

یعنی قرآنِ پاک کو درجہ وار ترتیب کے ساتھ نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پوری آسانی

---

[۱]: الفرقان آیت ۳۲

کے ساتھ محفوظ کر سکیں۔ اُس کا یاد کرنا بھی آسان ہو اور اس کی تلاوت بھی سہولت و خوبی سے ہو۔ اور اہلِ ایمان اِس سے رُوحانی غذا حاصل کر کے اس پر باقاعدگی سے عمل کر سکیں۔

اِس میں یہ بھی حکمت تھی کہ بسا اوقات مشرکین و کفّار کوئی طعن و اعتراض کرتے تو اُس کا جواب نازل ہو جاتا۔ اور اکثر اوقات آنے والے واقعات کی خبر سے اُن پر حُجّت قائم کی جاتی۔ الغرض اس قدر لمبی مدّت میں قُرآنِ کریم نازل کرنا اس کی عظمت اور اس کی اعلیٰ ترین حکمت اور مصلحت کی دلیل ہے کہ ہر واقعہ میں تازہ بہ تازہ ہدایت نازل ہوتی اور جو بھی مشکل در پیش ہوتی اُس کے حل کے ساتھ ساتھ صبر و تسلّی کے پیغامات بھی نازل کئے جاتے۔ جس سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کو چار چاند لگ جاتے۔ جیسے کہ کُفّار کی طرف سے جب ایذائیں اور تکالیف حد سے بڑھنے لگیں تو قرآنِ کریم نے اِن الفاظ میں صبر و تسلّی کی تلقین کی۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ [۱]

(اے ہمارے پیغمبرؐ صبر کیجئے اور آپؐ کا صبر اللہ ہی کی توفیق و عنایت سے ہے۔ اور اِن مُشرکین پر غم بھی نہ کیجئے اور نہ اِن کی سازش سے جو یہ کر رہے ہیں تنگ دلی اور اضطراب میں پڑیئے)

اِس طرح کی حوصلہ افزائی اُسی صورت میں ممکن تھی کہ قرآن مجید ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُتارا جاتا۔

کیفیتِ نزولِ قرآن

قُرآنِ مجید کا نُزول حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے ذریعہ ہوا ہے۔ وہ آپؐ کے قلبِ اطہر پر اِس کو نازل کرتے تھے۔ اُنہوں نے اللہ کے حکم سے اِسے ٹھیک ٹھیک آپؐ تک پہنچایا ہے۔ اِس لئے قُرآنِ مجید میں اُن کا لقب "امین" ذکر کیا گیا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ [۲]

(حضرت روح الامین (جبرئیلؑ) اس کلام کو لے کر آپؐ کے دل پر اُترتے ہیں)

---

[۱] النحل آیت: ۱۲۷ [۲] الشعراء آیت ۱۹۳، ۱۹۵

حضرت جبریلؑ امین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور لوحِ محفوظ سے یہ کلام کس طرح لے کر آنحضرت صلعم پر اترتے تھے۔ باطنی طور پر یا غیبی طریقے سے یہ کلام یاد کر لیتے تھے۔ یا کسی چیز پر یہ کلام منعکس ہو جاتا تھا۔ جیسے کاغذ اور تختی پر لکھتے ہوئے کلمات سامنے روشن ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کو دیکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔ یہ سب باتیں علماء کے زیر بحث رہی ہیں، کہ نزولِ قرآن کی کیا کیفیت تھی۔

کیفیتِ نزولِ وحی

علّامہ طیبیؒ نے بیان کیا: بہت ممکن ہے کہ قرآنِ کریم کا نزول اِس طرح ہوتا ہو کہ فرشتہ اِس کلام کو اللہ تعالیٰ سے بغیر کسی واسطے کے رُوحانی اور باطنی طریقے سے اخذ کر کے پھر حضور نبی کریم صلّعم پر اُترتا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جبریلؑ کی نظروں کے سامنے کلامِ الٰہی منعکس کر دیا جاتا ہو اور وہ اِسے یاد کر لیتے ہوں۔ پہلی صورت بالکل ایسی ہی ہے جیسے آج کل سائنسی ایجادات میں تقاریر ٹیپ کر لی جاتی ہیں۔ اور بغیر کسی آواز کے ایک تقریر دوسرے ٹیپ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ "محقّقین نے اِس دلیل کو زیادہ پسند کیا ہے کیونکہ روایات سے وحیِ الٰہی کی نوعیّت کچھ اِسی طرح بیان کی گئی ہے۔ طبرانی نے نواس ابن سمعان سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

(۱) اِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْوَحْيِ اَخَذَتِ السَّمَاءُ رَجْفَةً شَدِيْدَةً مِّنْ خَوْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِذَا سَمِعَ بِذٰلِكَ اَهْلُ السَّمَاءِ صَعِقُوْا وَخَرُّوْا سُجَّدًا فَيَكُوْنُ اَوَّلُهُمْ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ بِوَحْيِهٖ مِمَّا اَرَادَ فَيَنْتَهِيْ بِهٖ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَكُلَّمَا مَرَّ بِسَمَاءٍ سَأَلَهٗ اَهْلُهَا مَاذَا قَالَ رَبُّنَا قَالَ الْحَقَّ فَيَنْتَهِيْ بِهٖ حَيْثُ اُمِرَ۔[1]

(جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو اُس کے خوف اور ہیبت کی وجہ سے آسمان میں ایک شدید زلزلہ طاری ہو جاتا ہے۔ پھر جب اُس کو آسمان والے فرشتے سُنتے ہیں تو بے ہوش ہو کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اُن میں سب سے پہلے اپنا سر اٹھانے والے حضرت جبریلؑ امین علیہ السّلام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس قسم کی وحی کا ارادہ رکھتا ہو تو اُن سے اپنی وحی میں خطاب فرماتا ہے۔ پھر جبریلؑ امین اِس وحیِ الٰہی کو لے کر فرشتوں کے سامنے سے گذرتے ہیں۔ وہ جس آسمان سے بھی گذرتے ہیں۔ وہاں والے پوچھتے ہیں کہ ہمارے ربّ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ جبریلؑ کہہ دیتے ہیں ہمارے ربّ نے حق

---

[1] : التبیان فی علوم القرآن للجزائری ص ۲۸ – فتح الباری جلد – ۹

کلام فرمایا ہے۔ پھر وہ اُسی وحی کو لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں اُن کو پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔)

(ب) صحیح بخاری باب بدء الوحی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حارثؓ بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "کبھی تو مجھ پر وحی اِس طرح نازل ہوتی ہے جس طرح کسی گھنٹی کی آواز ہو۔ وحی کی یہ صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ یہ کیفیت مجھ سے اُس وقت دور ہوتی ہے جبکہ میں سب کچھ یاد کر لیتا ہوں۔ اور وحی کو محفوظ کر لیتا ہوں[1]۔"

(ج) وحی کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ "فرشتہ کسی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر مجھ سے بات کرتا ہے۔ تو میں اُس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں جو مجھ سے کہتا ہے"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ سخت سردی کے موسم میں بھی جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ تو آپؐ کی پیشانی پسینہ سے تر ہو جاتی تھی"۔[2]

اس حدیث اور طبرانی کی روایت میں وحی کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اِسی طرح کی کیفیت سے حضرت جبریلؑ امین بارگاہِ الٰہی سے وحی اور کلام اخذ کر لیتے ہوں گے۔

نبی کریمؐ کو وحی کی حفاظت کا بہت اہتمام تھا اِس لئے آپ وحی کے نزول کے ساتھ ہی جلدی جلدی اعادہ کرتے جاتے تھے کہ کوئی جُزء حافظہ سے رہنے نہ پائے۔ تو اللہ تعالےٰ نے وحی نازل فرمائی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ۔[3]

(آپؐ یاد کرنے کی جلدی کی وجہ سے زبان کو حرکت نہ دیجئے ہمارے ذمہ اِس کا تلاوت کرنا، اور آپؐ کے دل میں محفوظ کرنا ہے۔)

اِس سے معلوم ہوا کہ جبریلؑ امین اللہ کا ایک مُرتّب اور محفوظ کلام لے کر اُترتے تھے جو تلاوت

---

[1] : صحیح بخاری باب بدء الوحی جلد اوّل ص ۲ مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۴ھ

[2] : ایضاً

[3] : القیامۃ آیات ۔ ۱۶ ، ۱۷ ۔

کیا جاتا تھا اور سُنا جاتا تھا۔ پھر اُس کا اعادہ کیا جاتا تھا۔

"قرآن" الفاظ اور معانی کا مجموعہ ہے

ظاہر ہے کہ صرف معانی و احکام اور اوامر کی یہ نوعیت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے مُتکلّمین نے قرآنِ کریم کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ "ھُوَ نَظْمٌ وَّ مَعْنیً"[1] (قرآنِ کریم الفاظ و کلمات اور معانی دونوں کا مجموعہ ہے) یعنی الفاظ اور معنی، دونوں لحاظ سے اللہ کا کلام ہے۔ خود قرآنِ کریم میں اس سے متعلّق ارشاد ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ[2]۔ (یہ قرآن مجید واضح عربی زبان میں ہے) یعنی عبارت اور نظمِ کلام عربی کلمات و الفاظ ہیں۔ اور جبرئیل علیہ السلام جو اللہ کا کلام لے کر نازل ہوتے تھے۔ وہ تعبیر و کلمات نہ جبرئیلؑ کے ہوتے تھے، اور نہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے۔ بلکہ وہی قرآن ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور جس کے مقابلہ میں الفاظ و کلمات لانے سے دُنیا عاجز رہی۔

اللہ کا کلام

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک دفعہ مُشرکین کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کی تو وُہ لوگ پوچھنے لگے کہ یہ تمہارا کلام ہے یا تمہارے ساتھی (نبی کریمؐ) کا۔ ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

لَيْسَ كَلَامِيْ وَلَا كَلَامُ صَاحِبِيْ وَلٰكِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ[3]۔

(نہ تو میرا کلام ہے اور نہ میرے صاحب کا کلام ہے بلکہ یہ تو اللہ کا کلام ہے)

نزولِ قرآن کی ابتدا کب ہوئی؟

مُفسّرین اور مُحدّثین کا اس بات پر اتّفاق ہے کہ نزولِ قرآن کی ابتدا اور وحی کا سلسلہ اُسی

---

[1]: مناہل العرفان فی علوم القرآن مولانا محمد مالک کاندھلوی ص = ۵۳

[2]: الشعراء آیت = ۱۹۶ [3]: ترمذی۔

روز سے شروع ہوا جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کی خلعت سے نوازا گیا۔ وہ ربیع الاوّل کا مہینہ اور سوموار کا دن تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ۸ ربیع الاوّل کے قول کو ترجیح دی ہے[1] اور یہ نزول کی ابتداء وہ ہے جو آسمانِ دنیا سے حضورؐ پر ہوا۔ ورنہ لوحِ محفوظ سے دنیا کے آسمان پر تو لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہوا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے خود بیان کیا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔[2]

(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جس میں لوگوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی کی کھلی نشانیاں ہیں اور حق و باطل کے درمیان فرق اور فیصلہ کرنے والا ہے)

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ۱۷ رمضان المبارک کو آپؐ منصب نبوت پر فائز ہوئے اس اعتبار سے بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور چھ ماہ کی تھی۔ حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ غارِ حراء کا اعتکاف آپؐ رمضان ہی میں فرماتے تھے[3]

رمضان میں نازل کرنے کی حکمت

قرآن کریم نازل کرنے کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ اس لئے مخصوص کیا گیا کہ یہ نہایت مبارک اور عظمت والا مہینہ ہے۔ اس میں خداوند کریم کے خاص انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کا کلام خیرات و برکات اور انوار و تجلیات کا خزانہ ہے اور اللہ رب العزت کے جلال و جمال کا مجسمہ ہے۔ رمضان المبارک میں جب کہ روزہ داروں کی عظیم عبادت سے نفس کی ظلمتیں اور کدورتیں دور ہو کر روحانی انوار اور باطنی تجلیات سے ان کے دل منور ہوتے ہیں اور ربِّ کریم کی طرف سے پوری

---

[1] : زرقانی ص ۲۰۷ ج ۱، فتح الباری ص ۳۱۲ ج ۱۲

[2] : البقرۃ آیت : ۱۸۵

[3] ؛ فتح الباری کتاب التفسیر ص ۲۶ ج ۱ ۔ بدء الوحی

کائنات پر انوار و برکات کی بارش ہو رہی ہو اور عُشّاق نعرۂ مستانہ لگا رہے ہوں۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے اللہ مجھے جلوہ دکھا کہ میں تیری طرف نظر اٹھاؤں)۔ مگر دُنیا میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں۔ اِس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنا کلام پاک نازل فرما دیا تاکہ عُشّاق اِس کلام سراپا جمال و جلال کے پردہ میں اپنے مالکِ حقیقی کے جلوہ سے اپنے دلوں کو منوّر کرلیں۔ کیونکہ ہر کلام میں بات کرنے والے کے اوصاف و کمالات کی جھلک ہوتی ہے اور مشہور ہے۔ اَلْمَکْتُوْبُ نِصْفُ الْمُلَاقَاتِ (خط آدھی ملاقات ہوتی ہے)۔

اِسی مناسبت سے رمضان المبارک میں کلامِ الٰہی نازل کیا گیا۔ اور رمضان المبارک میں تراویح کی نماز بھی مقرر کی گئی۔ تاکہ اِس کلام پاک کی تلاوت کرنے والے بابرکت راتوں میں اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات کی لذّت اور سُرور بھی حاصل کرتے رہیں۔ اور اُس کے پاک کلام کی تلاوت کرتے ہوئے اُس کے جمال اور انوار سے لُطف اندوز بھی ہوتے رہیں۔

وحی کی ابتداء اور غارِ حراء کی خلوت گزینی

جنابِ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سب سے پہلے وحی "غارِ حراء" میں نازل ہوئی جو مکّہ سے تین میل دور شارع طائف جبلِ نُورؔ کی چوٹی پر ایک خُشک اور تنگ غار ہے۔ راستہ اتنا کٹھن اور دُشوار گزار ہے کہ اچھے خاصے تنومند اور جوان آدمی بھی حوصلہ ہار جاتے تھے۔ اِس تنگ و تاریک غار میں انسانیت کا غمخوار دن میں ہی نہیں ڈراؤنی اور بھیانک راتیں بھی گذارتا تھا۔ ایسی جگہوں پر اور ایسے ماحول میں ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں رہنا معمولی دل گُردے کا کام نہیں۔ یہ سب کچھ ایک ایسا صاحبِ عزیمت ہی کرسکتا تھا۔ جس کے اکیلے ہاتھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں طوفان کا رُخ پلٹ دیا۔

عبادت اور مُراقبہ کی کیفیت

صحیح بخاری میں ہے کہ غارِ حراء میں آپؐ عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے۔

رقِیلَ مَاکَانَ صِفَۃُ تَعَبُّدِہٖ اُجِیْبَ بِاَنَّ ذَالِکَ بِالتَّفَکُّرِ وَالْاِعْتِبَارِ[1] ۔

(سوال کیا گیا کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے ۔ کہ غور و فکر اور عبرت پذیری تھی) آپؐ وہاں مراقبہ کرتے ۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے وہ ختم ہو جاتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور واپس جا کر پھر مراقبہ میں مصروف ہو جاتے ۔

ایک مغربی مؤرخ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِس عبادت اور مُراقبہ کی کیفیت کو اِس طرح بیان کیا ہے ۔

" سفر و حضر میں ہر جگہ محمدؐ کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے ۔ "میں کیا ہوں ۔ یہ غیر مُتناہی عالم کیا ہے ؟ نبوّت کیا شے ہے ؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں ؟ کیا کوہِ حرا کی چٹانیں، کوہِ طُور کی سَر بفلک چوٹیاں ، کھنڈر اور میدان ، کسی نے اِن سوالوں کا جواب دیا ۔ نہیں ہرگز نہیں ، بلکہ گنبدِ گرداں ، گردشِ لیل و نہار ، چمکتے ہوئے ستارے ، برستے ہوئے بادل ، کوئی بھی اِن سوالوں کا جواب نہ دے سکا "[2]

پہلی وحی

نبوّت کا یہ دیباچہ تھا کہ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے ۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ ۔

" سب سے پہلے وحی کی ابتدا آنحضرت صلّی اللہ علیہ سلّم کے لئے مبارک اور سچّے خوابوں سے ہوئی ۔ آپؐ جو کوئی بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح روشن ہو کر آپؐ کے سامنے ظاہر ہوتا ۔ پھر آپؐ کو خلوت و تنہائی محبوب ہو گئی ۔ تو آپؐ غارِ حرا میں خلوت اختیار کرتے لگے ۔ آپؐ وہاں خلوت نشین اور گویا مُعتکِف ہو کر کئی راتوں تک لگا تار عبادت میں لگے رہتے "[3]

---

[1] : عینی شرح بخاری ص ۶۷ ج ۱ ۔ [2] کارلائل ہیروز تذکرۂ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔

[3] : بخاری ، مسلم ۔

پھر خدیجہؓ کی طرف لوٹتے اور اتنے ہی دنوں کے لئے پھر توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ اچانک آپؐ پر حق آگیا۔ اور نبوّت و رسالت سے آپؐ سرفراز کر دیئے گئے۔ اُس وقت آپؐ غارِ حرا میں تھے۔ اللہ کا فرشتہ نمودار ہوا اور اُس نے آپؐ سے کہا "پڑھیئے"۔ آپؐ نے جواب دیا۔ "میں تو پڑھا ہوا نہیں"۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھ کو پکڑا اور پھر دبایا اور خوب دبایا۔ یہاں تک کہ مجھے مشقت اور تکلیف حد درجہ کی ہوئی۔ پھر مجھ کو چھوڑا اور کہا "پڑھیئے"۔ میں نے کہا "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تو اُس فرشتہ نے مجھ کو پکڑا اور دبایا حتّیٰ کہ مجھے حد درجہ تکلیف ہوئی۔ اُس نے پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا "پڑھیئے" میں نے کہا "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" تو اُس فرشتہ نے مجھ کو تیسری بار پکڑا۔ اور زور سے دبایا۔ اب کے مجھے پھر بہت زیادہ تکلیف ہوئی۔ اور پھر مجھ کو چھوڑا اور کہا [1]

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۙ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔ [2]

(پڑھ اُس خُدا کا نام لے کر جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خُدا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُسے معلوم نہ تھیں)۔

آپؐ اِن آیات کو لے کر حضرت خدیجہؓ کی طرف لوٹے اور حال یہ تھا کہ آپؐ کا دل وحی کی عظمت و ہیبت کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "مجھے چادر اُڑھا دو"۔ اُنہوں نے آپؐ کو چادر پہنا دی۔ یہاں تک کہ آپؐ سے خوف و گھبراہٹ دُور ہو گئی۔ [3]

بخاری شریف کی اِس مشہور حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے یہی آیاتِ "اِقْرَأْ" نازل ہوئیں۔

آخری وحی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس (۲۳) سال کے عرصے میں پُورے حُسن اور خوبی کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل

[1]: بخاری باب بدء الوحی [2]: العلق آیت ۱ تا ۵ - [3]: بخاری باب بدء الوحی ص ۲ ج ۱

کی یہاں تک کہ وہ تاریخی دن آیا جب کہ آپؐ نے لوگوں سے گواہی لی۔ دس ہجری حجۃ الوداع کے موقعہ پر ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو شام کے وقت مزدلفہ کی طرف کوچ کرنے سے قبل عرفات کے مبارک صحرا میں جبلِ رحمت کے قریب انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ رسولِ خدا صلعم اُس وقت اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ آپؐ کی فراستِ نبوّت سمجھ رہی تھی کہ جماعت سے خطاب کا یہ آخری موقع ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام دُنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام بُنیادی اُصول کا مجمعِ عام میں اعلان کر دیا جائے۔ اور تحریکِ اسلامی کی طرف سے انسانیت کے نام کوئی پیغام اور کوئی منشور دے دیا جائے۔ آپؐ نے اونٹنی کے اوپر ہی سے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ اور مجمعِ عام کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔

اَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟

(لوگو! تم سے خُدا کے ہاں میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ ذرا بتاؤ کہ تم کیا جواب دوگے)

سب نے بیک آواز کہا۔

"ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خُدا کا پیغام ہمیں پہنچا دیا۔ آپؐ نے رسالت اور نبوّت کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے ہم کو کھوٹے اور کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔"[1]

اُس وقت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی شہادت کی اُنگلی کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف اُنگلی اٹھاتے جاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔ اور تین بار فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔[2] (اے خُدا سُن لے، اے خُدا گواہ رہنا، اے اللہ شاہد رہ، یہ سب کیا صاف اقرار کر رہے ہیں)

تکمیلِ دین کا مژدہ

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم عرفات میں عین اُس وقت جب یہ فرض

---

[1]: مسلم شریف باب حجۃ الوداع
[2]: بخاری خطبہ حجۃ الوداع ص ۲۲۱ ج - ۱

ادا کر رہے تھے۔ تو یہ آیت اُتری۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ [۱]

(آج میں نے تُمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور تُم پر اپنی نعمت کو پُورا کر دیا۔ اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمایا ہے [۲])

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہِ دو عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربّانی کا اعلان کر رہا تھا۔ اُس وقت اُس کے تختِ شاہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور اُس کے نیچے کا کپڑا) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ [۳]

بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ تمام احکامِ دین، فرائضِ اسلام اور مسائلِ حلال و حرام کی تکمیل یہی آیت نازل کر کے فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ خود آیت کا مضمون اِس پہ دلالت کر رہا ہے۔ سُدیؓ، قتادہؓ اور ابن کثیرؒ نے وضاحت کی ہے کہ اِس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کوئی حلال و حرام کا مسئلہ نازل نہیں کیا گیا۔ طارقؓ بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ یہود کے بہت سے لوگ اِس آیت کے نزول کے بعد کہنے لگے۔ کہ "اگر ہم پر یہ آیت نازل کی جاتی تو ہم اُس دن عید مناتے"۔

اِس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "مجھے علم ہے کہ یہ آیت اُس دن نازل ہوئی۔ جس دن نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن کھڑے تھے" [۴]

یعنی جس روز یہ آیت نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں یہ آیت ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر "عرفہ کے روز" جمعہ کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی۔ جبکہ میدانِ عرفات میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گرد چالیس ہزار سے زائد نفوسِ قدسیہ کا کثیر مجمع تھا۔ [۵]

۱: المائدۃ آیت = ۳ ۲: بخاری باب حجۃ الوداع ص ۵۲ ج ۳

۳: طبقات ابن سعد = ص ۱۲۷ ترمذی و ابن ماجہ

۴: بخاری باب حجۃ الوداع ص ۵۲ ج ۳

۵: تشریح آیت = ۳ سورۃ المائدۃ ترجمہ مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ" یعنی آخری وحی کے نزول کے بعد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم صرف اکیاسی روز اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔[1] آپ نے نبوّت کے تیئس ۲۳ سال میں تربیّت اور تزکیہ کے ذریعہ بنی نوع انسان کو مذہب و اخلاق کا وہ زیور عطا فرمایا جس سے آراستہ ہو کر وہ قیامت کے دن سُرخروئی کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملاقات کر سکے گا۔

مکّی اور مدنی سُورتیں

علّامہ ابن النقیبؒ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں نازل کردہ سُورتوں اور آیات کی تقسیم چار طریق سے کر سکتے ہیں۔ (۱) مکّی (۲) مدنی (۳) بعض حصّہ مکّی۔ بعض حصّہ مدنی اور (۴) وہ جو نہ مکّی ہیں اور نہ مدنی۔

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکّی سُورتیں وہ ہیں جو مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئیں۔ اگرچہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ اور مدنی سُورۃ وہ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہو۔

اِس صُورت میں مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ سے باہر نازل ہونے والی سُورتوں کا تعین مشکل ہوگا اگرچہ حضورؐ کے صحابہؓ کو سُورتوں، آیات کا مقام معلوم تھا۔

سُورتوں اور آیات کا مقامِ نزول صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا

چونکہ صحابہ کرامؓ نے براہِ راست جناب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قرآن کریم پڑھا اور سیکھا اور اِس کی تفصیلات معلوم کیں۔ اِس لئے اُن کی بات زیادہ معتبر ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کتاب اللہ کی جو بھی آیت نازل ہوئی ہیں اُس کے متعلق یہ جانتا ہوں کہ وہ آیت کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی"[2]

---

[1] : ابن جریر و ابن کثیر۔ دلائل ابو نعیم ص ۱۴۶

[2] : بخاری کتاب التفسیر باب القراءۃ من اصحاب النبیؐ جلد سوم ص = ۱۴۱ مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۴ھ۔

ایوبؒ بیان کرتے ہیں کہ ”ایک شخص نے عکرمہؓ سے کسی آیت کے متعلق پوچھا۔ کہ کہاں نازل ہوئی۔ تو وہ جبلِ سلع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کہ اِس پہاڑ کی گھاٹی میں نازل ہوئی۔“ [۱]

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جن آیات میں اہلِ مکّہ کو خطاب کیا گیا ہے۔ وہ مکّی آیات ہیں اور جن آیات میں اہلِ مدینہ کو خطاب کیا گیا ہے وہ مدنی کہلاتی ہیں۔ لیکن یہ بات زیادہ معتبر نہیں ہے۔

۳۔ تیسری بات جس کو زیادہ پسند کیا گیا ہے وہ یہ کہ ہجرت سے قبل نازل ہونے والی آیات کو مکّی کہا جائے گا۔ خواہ وہ مکّہ مکرّمہ کے علاوہ کسی اور جگہ نازل ہوئی ہوں۔ اور مدنی آیات وہ ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ خواہ وہ آیات ہجرت کے بعد مکّہ مکرّمہ یا اُس کے قُرب وجوار میں ہی نازل ہوئی ہوں۔ اِس صورت میں فتح مکّہ کے سال ۸ھ میں یا حجۃ الوداع میں عرفات اور منیٰ کے مقامات پر یا حُدیبیہ سے واپسی پر مکّہ کے قُرب وجوار میں نازل ہونے والی آیات مدنی آیات ہوں گی۔ کیونکہ اِن کا نُزول ہجرت کے بعد ہے یہی وجہ ہے کہ ایسی آیات کو تمام مُفسّرین مدنی آیات ہی شمار کرتے ہیں۔

مکّی و مدنی سُورتوں کی تعداد

طبقات بروایت واقدیؒ کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کیا ہے کہ

”میں نے اُبیؓ بن کعبؓ سے پوچھا کہ قُرآنِ کریم کا کونسا حصّہ مدینہ منوّرہ میں نازل ہوا؟ تو اُنہوں نے بتایا۔ ”ستائیس سُورتیں مدینہ منوّرہ میں نازل ہوئیں۔ اور باقی تمام قُرآنِ کریم مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوا۔“ [۲]

ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ مکّی سُورتوں کی کل تعداد ۸۷ اور مدنی سُورتوں کی تعداد ۲۷ ہے اِس طرح مجموعی تعداد قُرآنِ کریم کی سُورتوں کی ۱۱۴ ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ

---

[۱]: الاتقان ص ۹ ج ۱

[۲]: ایضاً۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علی بن ابی طالب سے بھی یہی روایت ہے۔[1]

مکی سورتوں کی ترتیب نزول

قرآن کریم کی سورتوں کی نزولی ترتیب کے اعتبار سے ابن الضریس نے فضائل قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔ اُس کے مطابق مکی سورتوں کی ترتیب یوں ہے۔

ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر	ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر
۱	اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ	۹۶	۱۶	اَلتَّكَاثُرُ	۱۰۲
۲	اَلْقَلَمُ	۹۸	۱۷	اَلْمَاعُوْنَ	۱۰۷
۳	اَلْمُزَّمِّلُ	۷۳	۱۸	اَلْكَافِرُوْنَ	۱۰۹
۴	اَلْمُدَّثِّرُ	۷۴	۱۹	اَلْفِيْلُ	۱۰۵
۵	اَلْفَاتِحَۃُ	۱	۲۰	اَلْفَلَقُ	۱۱۳
۶	اَللَّهَبُ	۱۱۱	۲۱	اَلنَّاسُ	۱۱۴
۷	اَلتَّكْوِيْرُ	۸۱	۲۲	اَلْاِخْلَاصُ	۱۱۲
۸	اَلْاَعْلٰى	۸۷	۲۳	اَلنَّجْمُ	۵۳
۹	اَللَّيْلُ	۹۲	۲۴	عَبَسَ	۸۰
۱۰	اَلْفَجْرُ	۸۹	۲۵	اَلْقَدْرُ	۹۷
۱۱	اَلضُّحٰى	۹۳	۲۶	اَلشَّمْسُ	۹۱
۱۲	اَلَمْ نَشْرَحْ	۹۴	۲۷	اَلْبُرُوْجُ	۸۵
۱۳	اَلْعَصْرُ	۱۰۳	۲۸	اَلتِّيْنُ	۹۵
۱۴	اَلْعَادِيَاتِ	۱۰۰	۲۹	اَلْقُرَيْشُ	۱۰۶
۱۵	اَلْكَوْثَرُ	۱۰۸	۳۰	اَلْقَارِعَۃُ	۱۰۱

[1] الاتقان علامہ سیوطیؒ جلد اول ص ۱۳۔

ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر	ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر
۳۱	اَلْقِیَامَةُ	۷۵	۵۱	یُوْنُسَ	۱۰
۳۲	اَلْھُمَزَةُ	۱۰۴	۵۲	ھُوْدَ	۱۱
۳۳	اَلْمُرْسَلَاتِ	۷۷	۵۳	یُوْسُفَ	۱۲
۳۴	قٓ	۵۰	۵۴	اَلْحِجْرُ	۱۵
۳۵	اَلْبَلَدُ	۹۰	۵۵	اَلْاَنْعَامُ	۶
۳۶	اَلطَّارِقُ	۸۶	۵۶	اَلصَّافَّاتُ	۳۷
۳۷	اَلْقَمَرُ	۵۴	۵۷	لُقْمَانُ	۲۱
۳۸	صٓ	۳۸	۵۸	سَبَا	۳۴
۳۹	اَلْاَعْرَافُ	۷	۵۹	اَلزُّمَرُ	۳۹
۴۰	اَلْجِنُّ	۷۲	۶۰	اَلْمُؤْمِنُ	۴۰
۴۱	یٰسٓ	۳۶	۶۱	حٰمٓ السَّجْدَةُ	۴۱
۴۲	اَلْفُرْقَانُ	۲۵	۶۲	اَلشُّوْرٰی	۴۲
۴۳	فَاطِرُ	۳۵	۶۳	اَلزُّخْرُفُ	۴۳
۴۴	مَرْیَمُ	۱۹	۶۴	اَلدُّخَانُ	۴۴
۴۵	طٰهٰ	۲۰	۶۵	اَلْجَاثِیَةُ	۴۵
۴۶	اَلْوَاقِعَةُ	۸۶	۶۶	اَلْاَحْقَافُ	۴۶
۴۷	اَلشُّعَرَاءُ	۲۶	۶۷	اَلذّٰارِیَاتِ	۵۱
۴۸	اَلنَّمْلُ	۲۷	۶۸	اَلْغَاشِیَةُ	۸۸
۴۹	اَلْقَصَصُ	۲۸	۶۹	اَلْکَھْفُ	۱۸
۵۰	بَنِیْ اِسْرَائِیْلُ	۱۷	۷۰	اَلنَّحْلُ	۱۶

ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر	ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر
۷۱	نُوحُ	۷۱	۷۹	اَلْمَعَارِجُ	۷۰
۷۲	اِبْرَاھِیمُ	۱۴	۸۰	اَلنَّبَا	۷۸
۷۳	اَلْاَنْبِیَاءُ	۲۱	۸۱	اَلنَّازِعَاتِ	۷۹
۷۴	اَلْمُؤْمِنُونَ	۲۳	۸۲	اَلْاِنْفِطَارُ	۸۲
۷۵	اَلسَّجْدَۃُ	۳۲	۸۳	اَلْاِنْشِقَاق	۸۴
۷۶	اَلطُّوْرُ	۵۲	۸۴	اَلرُّوْمُ	۳۰
۷۷	اَلْمُلْكُ	۶۷	۸۵	اَلْعَنْكَبُوْتُ	۲۹
۷۸	اَلْحَاقَّۃُ	۶۹	۸۶	اَلْمُطَفِّفِیْنَ	۸۳

(الاتقان علامہ سیوطی جلد اول ص ۱۰)

مدنی سورتوں کی ترتیب نزول

(مدنی سورتیں جس ترتیب سے نازل ہوئیں)

ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر	ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر
۱	اَلْبَقَرَۃُ	۲	۹	مُحَمَّدٌ	۴۷
۲	اَلْاَنْفَالُ	۸	۱۰	اَلرَّعْدُ	۱۳
۳	آلِ عِمْرَانَ	۳	۱۱	اَلرَّحْمٰنُ	۵۵
۴	اَلْاَحْزَابُ	۳۳	۱۲	اَلطَّلَاقُ	۶۵
۵	اَلْمُمْتَحِنَۃُ	۶۰	۱۳	اَلْبَیِّنَۃُ	۹۸
۶	اَلنِّسَاءُ	۴	۱۴	اَلْحَشْرُ	۵۹
۷	اَلزِّلْزَالُ	۹۹	۱۵	اَلنُّوْرُ	۲۴
۸	اَلْحَدِیْدُ	۵۷	۱۶	اَلنَّصْرُ	۱۱۰

ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر	ترتیب نزول نمبر	نام سورۃ	قرآن میں سورۃ کا نمبر
۱۷	اَلْحَجُّ	۲۲	۲۳	اَلتَّغَابُنُ	۶۴
۱۸	اَلْمُنَافِقُوْنَ	۶۳	۲۴	اَلصَّفُّ	۶۱
۱۹	اَلْمُجَادَلَةُ	۵۸	۲۵	اَلْفَتْحُ	۴۸
۲۰	اَلْحُجُرَاتُ	۴۹	۲۶	اَلْمَائِدَةُ	۵
۲۱	اَلتَّحْرِيْمُ	۶۶	۲۷	اَلْبَرَاءَةُ	۹
۲۲	اَلْجُمُعَةُ	۶۲		[1]	

سورۃ الدّھر جس کا نمبر قرآن مجید میں ترتیب کے لحاظ سے ۷۶ ہے۔ اِس کو بعض نے مدنی سُورۃ کہا ہے۔ اور بعض کے نزدیک مکّی سُورتوں میں شامل ہے۔ اِس کو ملاکر مکّی سُورتوں کی تعداد ۸۷ بن جاتی ہے۔ جبکہ حضرت اُبَیّ ابن کعبؓ کی روایت کے مطابق اور ابن الضریس کی روایت ابن عباسؓ کے مطابق مدنی سُورتوں کی تعداد ۲۷ ہے اِس طرح مکّی اور مدنی سُورتوں کو ملاکر کل تعداد ۱۱۴ ہے۔[2]

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت سی ایسی سُورتیں ہیں جو مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئیں اور مکیہ ہونے کے باوجود اُن میں چند آیات مدینہ میں نازل ہوئیں۔ یعنی سورت کی اُن چند آیات کو اللہ تعالےٰ نے اُس وقت نازل کیا جب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے تھے۔ اِس طرح مدنی زندگی میں اُن چند آیات کو نازل کر کے اُن سُورتوں کی تکمیل کر دی۔[3]

مکّی سُورتوں کی خُصوصیّات

مکّی سُورتیں تقریباً اُصولی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ اِن میں توحید رسالت۔ یوم آخرت۔ تقوٰی فضیلت اخلاق۔ تبلیغ کے طریقے صبر و استقلال۔ ایثار۔ جانبازی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ اللہ کی راہ سے مُنہ موڑنے والوں کا انجام اور عبرت آموز مثالیں اور مشرکین کے شبہات اُن کے الزامات، اور جوابات وغیرہ بڑی خوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت اور اُس کے قہر و عذاب کی اہمیّت بیان

---

[1]: الاتقان علّامہ سیوطیؒ جلد اوّل ص۔ ۱۱ ۔ [2]: ایضاً [3]: ایضاً

کی گئی ہے۔ دوزخیوں کے احوال سنائے گئے ہیں ۔ اور قدم قدم پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اس پر آمادہ کیا گیا ہے کہ لوگ خود اپنی عقل وبصیرت سے حق وباطل کی تمیز کریں ان آیات اور سُورتوں کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ دُنیا کے فصیح وبلیغ اور مایۂ ناز خطیب اور شاعر بھی اپنی شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مکّی سُورتیں مختصر ہیں لیکن اُن میں دریا کی سی روانی قوّت اور تیزی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے فصیح وبلیغ فقروں میں مطالب کو ادا کیا گیا ہے ۔ اور پُوری انسانیّت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ پہلے انبیاء اور پہلی اُمتوں کے واقعات اور قصّے بھی مکّی سُورتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

مدنی سُورتوں کی خُصوصیّات

مکّی سُورتوں کے مقابلے میں مدنی سُورتیں عموماً طویل ہیں۔ اُن میں مضامین کا اندازِ بیان نہایت سہل اور واضح اختیار کیا گیا ہے ۔ اور تعبیر نہایت سادہ مگر دلائل کی قوّت اور حقائق کی عظمت سے لبریز ہیں کیونکہ مدینہ منوّرہ میں نازل ہونے والی سُورتوں میں بسا اوقات مخاطب اہل کتاب تھے ۔ جو علمی صلاحیتوں کے پیشِ نظر اِس کے اہل تھے کہ حقائق اور دلائل کو سمجھیں اور اُن کو قبول کریں ۔ اِس وجہ سے ایسے مضامین نہایت واضح اور آسان دلائل سے پیش کئے گئے اور بہت سی آیات میں اُن کو مناظرہ کی دعوت بھی دی گئی ۔ اُن لوگوں میں جو عیب اور بیماریاں تھیں یعنی حسد وعناد ۔ غرور وتکبّر سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کر دینا ۔ سچی بات کو چھپانا اور اللہ کی آیات میں تحریف کرنا وغیرہ تمام باتوں کو قرآن نے نمایاں طور پر بیان کیا ہے ۔ بہت سے مقامات پر تورات اور انجیل کی اُن بشارتوں کو بھی ذکر کیا گیا ہے ۔ جن میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت ورسالت اور آپ کی نشانیوں کا ذکر ہے ۔ اور اہلِ کتاب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضورؐ پر ایمان لائیں تاکہ ایک طرف تو مضامین سے قرآنِ کریم کی حقّانیّت ثابت ہو جائے اور دوسری طرف اہلِ کتاب پر حُجّت پُوری ہو جائے۔

مدنی سورتوں کی آیات میں تورات وانجیل کے بارے میں بار بار ذکر ہے کہ یہ سچّی آسمانی کتابیں ہیں اور

قرآنِ مجید اُن کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اِس بات کی بھی تائید کرتا ہے۔ کہ تمام آسمانی کتابیں اُصولِ دین اور توحید کے معاملہ میں متفق ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ کتاب قرآن پر ایمان نہ لائیں۔ دلائل سے بتایا گیا ہے۔ کہ تورات و انجیل پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہی ہے۔ کہ اہلِ کتاب قرآنِ کریم کو تسلیم کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

اس کے علاوہ مدنی سورتوں اور آیات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن میں اکثر و بیشتر عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والے احکام حلال و حرام۔ فرائض و واجبات اور ممنوعات کا بیان۔ اِسی طرح غزوات، جہاد۔ مالِ غنیمت۔ خراج اور جزیہ نیز حُدود و قصاص کے مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مدنی آیات میں اخلاق۔ تہذیب و تمدن اور ریاست کے بڑے بڑے مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ فصاحت و بلاغت میں اعجاز کی وہی شان قائم ہے جو مکّی سُورتوں میں پائی جاتی ہے۔

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے۔

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے اور ہر متکلّم کی عظمت و بڑائی اُس کے کلام سے ظاہر ہوا کرتی ہے جس طرح پھُول کی خُوشبو اور مہک اُس کے پتّوں میں ہوتی ہے، اِس لئے ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی بھی پروردگارِ عالم کی عظمتوں اور اس کے جلال و جمال کا مظہر و پیکر ہو گا۔ اس کے پیشِ نظر رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

فَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ [1]

(اللہ کے کلام کی فضیلت اور برتری ہر کلام پر ایسی ہے جیسے اللہ کی عظمت و برتری اُس کی تمام مخلوق پر)

نادان لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ پیغمبر قرآن کے نام سے جو کلام اُن کو سُنا رہا ہے وہ محض زبان کی جادوگری ہے شاعرانہ پرطرزِ تخیّل ہے اور کچھ کاہنوں کی طرح عالمِ بالا کی گفتگو ہے اِس پر اُنہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ تم گمان کر رہے ہو، وہ چیز نہیں ہے یہ آیتیں ایسی محکم اور مضبوط کتاب کی ہیں، جس کی ہر بات سچّی ہے۔

"الفاظ" اس لحاظ سے کہ ہمیشہ تبدیل اور تحریف سے محفوظ رہیں گے۔

---

[1]: ترمذی باب فضائل القرآن باب ۲۷۶ جلد دوم ص: ۳۲۵۔

"علوم" اس لئے کہ تمام تر عقل اور حکمت کے مطابق ہیں۔

"احکام" اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی تاکہ اس کو منسوخ کردے۔

"اخبار و قصص" اس طرح کہ ٹھیک ٹھیک واقع کے مطابق ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدائے علیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے زور سے اتارا ہے۔

کلام اللہ کی شانِ جلال

کلام اللہ کا جلال اور شوکت تو اس قدر عظیم ہے کہ انسانوں کے قلوب تو درکنار پہاڑوں کی قوت بھی اس کو تحمل و برداشت نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ[1]

(اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے۔ تو آپ اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف اور اس کی ہیبت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا)۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کے دلوں کو قوت و ہمت عطا کی گئی ہے کہ وہ قرآن کریم کو اٹھا سکیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

"مقامِ حسرت و افسوس ہے کہ آدمی کے دل پر قرآن کا اثر کچھ نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر بھی اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا۔ تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا۔ اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔"[2]

---

[1]: الحشر آیت ۲۱ [2] فوائدِ قرآن کریم سورۃ الحشر آیت ۲۱

دوسرا باب

فضائلِ قرآن

قرآن مجید شفا اور رحمت ہے۔

قرآنِ کریم کی عظمت اور فضیلت سمجھنے کے لئے یہ ایک آیت مبارکہ ہی بہت کافی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ [1]

(اے لوگو۔ یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص پیغام نصیحت آگیا ہے۔ اس میں ان تمام بیماریوں کے لئے شفا اور عافیت کا سامان موجود ہے جو سینوں میں ہوں۔ اور اس میں ہدایت اور رحمت ہے۔)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ [2]

(اور ہم قرآنِ مجید سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں۔ جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کلامِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اس میں پیغام نصیحت ہے ظاہری اور باطنی امراض اور عیوب کے لئے شفاء اور عافیت کا سامان ہے اور ہدایت و رحمت کا خزانہ ہے۔

---

[1] : یونس آیت = ۵۷۔

[2] : بنی اسرائیل آیت = ۸۲

قرآن کریم میں تہذیبِ اخلاق، تمدّن و معاشرت، حکومت و سیاست، معرفت و روحانیت، تزکیۂ نفوس، تنویرِ قلب۔ غرضیکہ معرفتِ الٰہی، مخلوق کی تنظیم اور فلاح و بہبود کے وہ تمام قوانین اور طریقے موجود ہیں، جن سے کائنات کی پیدائش کا اصل مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ قرآن کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و مؤثر اور دل رُبا طرزِ بیان، دریا کا سا تموج۔ سلاست و روانی۔ اسالیبِ کلام کا تفنن اور اس کی لذّت و حلاوت اور شاہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب معجزاتِ الٰہی ہیں جنہوں نے بڑے زور و شور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں عاقل کے لئے شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ایسا جامع، بلیغ پُر حکمت اور نورِ صداقت سے بھرا ہوا کلام ربُّ العالمین ہی کا ہو سکتا ہے۔

قرآن اوّل سے آخر تک نصیحت ہے جو لوگوں کو مُہلک اور مُضر باتوں سے روکتا ہے، دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخۂ شفا ہے معرفتِ الٰہی اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دُنیا و آخرت میں رحمتِ الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

قرآن کریم رفعت کا سبب ہے

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآنی عظمت سے لوگوں کو آگاہ کرانے کے لئے منبر پر کھڑے ہو کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان بیان کیا کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ [1]

(بلاشُبہ پروردگارِ عالم اس کتابِ الٰہی کے ذریعے بہت سی قوموں کو عزت و سربلندی عطا کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو (جو اس پر عمل نہیں کرتے) ذلیل و خوار کرتا ہے)۔

قرآن کریم باعثِ برکت ہے

مُسند دارمی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

[1] : مسلم باب فضائل القرآن۔

إِنَّ اللّٰهَ قَرَأَ طٰهٰ وَيٰسٓ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ۔ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلٰئِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ طُوْبٰى لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا وَطُوْبٰى لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰى لِأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا[1]

(اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے ایک ہزار سال قبل سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسٓ تلاوت فرمائی۔ جب فرشتوں نے اس کلامِ الٰہی کو سُنا تو کہنے لگے مبارک ہے وہ اُمت جس پر یہ قرآن نازل کیا جائے گا۔ اور مبارک ہیں وہ سینے جو اس کو محفوظ کریں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اس کو پڑھیں گی۔)

قرآنِ کریم باعثِ سکینت ہے

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک طویل روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ يَتَدَارَسُوْنَ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔[2]

(اللہ کے گھروں میں جس گھر میں بھی لوگ اکٹھے ہو کر قرآن مجید تلاوت کریں گے اور درس و تدریس میں معروف ہوں گے۔ تو وہاں اُن پر ایک خاص سکینت نازل ہوگی اور اُن کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لے گی۔ اور فرشتے اُن کو گھیرے میں لے لیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں کے سامنے اُن کا تذکرہ کرے گا۔)

ایک روایت میں یہ ہے تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ[3]

(یہ سکینت قرآن کی وجہ سے نازل ہوتی ہے)

قرآنِ کریم سے گھر معمور رہوتے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مکان کو جس میں قرآن کریم کی تلاوت نہ کی جائے قبر کے درجہ میں شمار

[1]: مشکوٰۃ شریف باب فضائل القرآن

[2]: ابو داؤد جزء اول ص ۲۳۹ باب فی ثواب القرآن مطبع مصر = ۱۹۵۲ء

[3]: بخاری کتاب التفسیر باب ھو الذی انزل السکینۃ جلد ۳ ص = ۱۱۸ مصر ۱۳۰۴

رمایا ہے اور جس میں قرآن کی تلاوت کی جائے وہ آباد ہے۔[1]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ شخص جس کے سینہ میں قرآن کا کوئی حصہ محفوظ نہیں وہ اُجڑے گھر کی طرح ہے۔[2]

"قرآنِ کریم دلوں کے زنگ اُتارنے کا ذریعہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بے شک لوگوں کے دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس پہ پانی پڑ جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! دلوں کو زنگ سے صاف کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا "موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔"[3]

قرآنِ کریم باعثِ رشک ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دو چیزوں میں رشک جائز ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآنی علوم سے نوازا ہو اور وہ رات دن اس میں مشغول رہے۔"[4]

تلاوتِ قرآن سے اپنے گھروں کو روشن رکھو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نَوِّرُوْا مَنَازِلَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ ۔[5] (اپنے گھروں کو نماز اور تلاوتِ قرآن سے روشن رکھو)

---

۱ : مشکوٰۃ باب فضائل القرآن   ۲ : ترمذی باب فضائل القرآن جلد دوم ص ۱۲۰

۳ : بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ باب فضائل القرآن۔

۴ : نہایۃ القول المفید علامہ محمد مکی نصر باب ہفتم ص ۲۴۰ ۔

۵ : بخاری کتاب التفسیر باب اغتباط صاحب القرآن ص ۱۴۳ ج ۳، ص ۱۳۱۲

۶ : نہایۃ القول المفید فی علم التجوید۔ علامہ محمد مکی نصر باب ہفتم ص ۲۴۲

ماہرِ قرآن مقرّب فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ۔ [1]

(قرآن کے حروف یا معانی میں کمال حاصل کرنے والا مقرّب فرشتوں کی مجالس اور جماعت میں داخل کیا جائے گا)

تعلیمِ قرآن کی فضیلت

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔

اَفَلَا يَغْدُو اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ اَوْ يَقْرَأُ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ۔ [2]

(جو مسلمان مسجدوں میں بوقت صبح دو آیتوں کی تعلیم دیتے ہیں یا دو آیتوں کی خود تلاوت کرتے ہیں۔ ان کا ثواب بارگاہِ الٰہی میں دو اونٹنیوں کے صدقہ سے زیادہ ہے۔)

تلاوتِ قرآن کریم کا اجر و ثواب

قرآن پاک کی یہ خوبی ہے کہ اِس پر جتنا غور کیا جائے آتنی ہی آنکھیں کھلتی چلی جاتی ہیں، اور اِس کے مطالب خود بخود واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید روزانہ پڑھا جائے۔ خواہ تھوڑا پڑھا جائے مگر ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اُس کے معانی و مطالب کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ اِس طرح اگر تلاوت کا اہتمام کر دیا جائے تو روز بروز چشمِ بصیرت وا ہوتی چلی جائے گی۔ اور دل میں عجیب سُرور اور اطمینان کی روشنی پیدا ہو گی۔

---

[1] : بخاری کتاب التفسیر

[2] : بخاری و مسلم

ایک حرف تلاوت کرنے کا دس گنا ثواب

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

"مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ حَسَنَۃٌ وَّالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ لَامٌ حَرْفٌ وَّمِیْمٌ حَرْفٌ" [1]

(جو شخص قرآنِ مجید کا ایک حرف تلاوت کرے گا۔ اُسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ میں یہ نہیں کہتا۔ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ "الف" ایک حرف ہے۔"لام" ایک حرف ہے اور "م" ایک حرف ہے۔)

تلاوت سب سے افضل عبادت ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اَفْضَلُ عِبَادَۃِ اُمَّتِیْ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ ۔ [2]

(میری اُمّت کی سب سے افضل عبادت تلاوتِ قرآنِ کریم ہے)

قرآنِ کریم سفارش کرے گا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ۔

"اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّہٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِہٖ" ۔ [3]

(قرآن مجید پڑھا کرو۔ اس لئے کہ یہ قیامت کے دن اپنے تلاوت کرنے والے کی سفارش کرے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن کریم اور اس کی سورتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے تلاوت کرنے والے کے واسطے سفارش کریں گی" ۔ [2]

قرآنِ کریم بادل کی طرح سایہ کرے گا

قرآن کریم کی بعض سورتیں اپنے تلاوت کرنے والے پر عذاب سے بچانے کی خاطر

---

[1] : ترمذی باب ماجاء فی من قرأ جلد دوم ص = ۲۲۹

[2] : کنز العمّال جلد اول ص : ۱۲۸ ۔

[3] : مسلم شریف باب فضائل القرآن ۔

قیامت کے دن اِس طرح جُھک جائیں گی، جیسے بادل یا پرندوں کے جُھنڈ۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔

سُورَۃُ الْبَقَرَۃِ وَآلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا الزَّهْرَاوَانِ يُظِلَّانِ صَاحِبَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ۔ [1]

(سُورۃ بقرۃ اور آل عمران دونوں ایسی چمکدار ہیں جو کہ اپنے تلاوت کرنے والے پر قیامت کے دن اِس طرح سایہ فگن ہو جائیں گی جیسے کہ دو بادل یا تنظیم کے ساتھ اُڑنے والے پرندے کی دو ٹولیاں)

عبداللہ بن حمید اور طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے فرمایا کہ "تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ" پڑھو۔ کیونکہ یہ سُورت قبر کے عذاب سے نجات دینے والی ہے اور اِس کو کثرت سے پڑھنے والے کی اپنے رب کے پاس بحث کرنے والی ہے۔ یہ چاہے گی کہ اس کے پڑھنے والے کو عذاب نہ ہو، اور اس کا پڑھنے والا اس کے باعث عذابِ قبر سے چھوٹ جائے گا۔ [2]

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ یہ سُورت میری اُمّت کے ہر شخص کے دل میں ہو۔" [3]

ایک روایت ہے کہ "جب عذاب کے فرشتے قبر میں آئیں گے تو سورۃ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ان کو سر اور پاؤں اور ہر طرف سے روکے گی۔" [4]

طبرانی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، "کہ ایک سُورت نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کیا یہاں تک کہ اُس کو جنّت میں داخل کرایا۔ وہ سورۃ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ" ہے [5]

سعید بن منصورؒ نے عمرو بن مُرۃ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں، کہ "یہ کہا جاتا تھا، کہ قرآنِ مجید میں ایک سورت ہے جو شخص اس کو کثرت سے پڑھتا ہوگا اُس کے بارے میں یہ سورت قبر میں نکیرین کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔ وہ تیس۳۰ آیات ہیں۔ لوگوں نے جب غور کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ سُورت "تَبَارَكَ الَّذِي" ہے۔ [6]

علّامہ سیوطیؒ نے اپنے مجموعے میں نقل کیا ہے، "کہ یہ سُورت اپنے پڑھنے والے کے بارے میں قبر میں تکرار کرے گی۔ اور قیامت میں اُس سے عذاب کو دُور کرے گی۔ اور اُس کو جنّت میں داخل کرائے گی"۔ [7]

---

[1]: کنز العمّال جلد اوّل ص = ۱۴۳

[2]: زرقانی ص ۲۵، ج ۲ — [3]: ایضاً — [4]: ایضاً

[5]: ایضاً — [6]: ایضاً — [7]: ایضاً

تلاوت کرنے والا گمراہ نہیں ہوگا

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ "فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ" میں ھُدَایَ "کتاب الٰہی ہے۔ جو اس کی تلاوت کرے گا اور اس پر عمل کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں محروم ہوگا۔ [1]

قرآن کے حامل سے دوستی کا فائدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"حَمَلَةُ الْقُرْآنِ هُمُ الْمُعَلِّمُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ وَالْمُتَلَبِّسُوْنَ بِنُوْرِ اللّٰهِ مَنْ وَالَاهُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهَ وَمَنْ عَادَاهُمْ فَقَدْ عَادَى اللّٰهَ۔" [2]

(قرآن مجید کے حامل وہ ہیں جو اللہ کے کلام کی تعلیم دیتے ہیں، اور اللہ کے نور کی حفاظت کرتے ہیں جو اُن سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ اللہ سے دوستی رکھتا ہے، اور جس نے اُن سے عداوت رکھی تو گویا وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے۔)

حافظِ قرآن کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اَكْرِمُوْا حَمَلَةَ الْقُرْآنِ فَمَنْ اَكْرَمَهُمْ فَقَدْ اَكْرَمَ اللّٰهَ" [3]

(قرآن کے حافظوں کی عزت کرو۔ جو اُن کی عزت کرتا ہے وہ اللہ کی عزت کرتا ہے۔)

---

[1]: تفسیر ابن کثیر طٰہٰ آیت = ۱۲۳

[2]: مسلم شریف باب فضائل القرآن

[3]: کنز العمال جلد اوّل ص = ۱۲۱

حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا "حافظِ قرآن کو کہا جائے گا تُو قرآن کی تلاوت کرتا جا اور جنت کے درجات اور منازل پر چڑھتا جا۔ تیری آخری منزل وہی ہوگی جہاں تُو تلاوت ختم کرے گا"۔[۱]

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "حافظ قرآن کی شفاعت سے اس کے قرابا میں سے ایسے دس آدمیوں کی مغفرت کر دی جائے گی جن پر جہنم واجب ہو گئی ہو"۔[۲]

سب سے بہترین بندے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خِیَارُکُمْ وَاَبْرَارُکُمْ وَاَفَاضِلُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ ۔[۳]

(تم میں بہتر نیک اور فضیلت والے وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔)

قاریٔ قرآن کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا

حضرت معاذؓ جہنی کی روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ تو اُس کے والدین کو قیامت کے روز ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے کہیں بہتر ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا۔ بھلا بتاؤ تو تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے متعلق جو خود قرآن پڑھنے والا اور اُس پر عمل کرنے والا ہو"۔[۴]

اٹک اٹک کر پڑھنے والے کیلئے دوہرا ثواب ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جسے قرآن پر پورا عبور حاصل ہوگا وہ ملائکہ کے ساتھ ہوگا۔ جو

---

[۱]: ایضاً   [۲]: ابوداؤد باب استحباب الترتیل فی القراءۃ ج ۱ ص ۳۳۸ طبع مصر ۱۹۵۲ء   [۳]: کنز العمال ج ۱

[۴]: ابوداؤد باب فی ثواب قراءۃ القرآن جلد اول ص ۲۲۵ ۔

شخص اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اُسے اپنی اِس محنت کے عوض میں دُوہرا ثواب ملے گا۔"[1]

قرآنِ کریم کے ذریعہ غم دُور ہو جاتے ہیں

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعاؤں میں ہے، "اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجَلَاءَ ھُمُوْمِیْ وَاَحْزَانِیْ"۔[2]

(اے اللہ قرآن کو میرے دل کی شادابی اور چین اور میری پریشانیوں اور غموں کو دُور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔)

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ قُرآن کریم دلوں کی شادابی، چین و سکون اور راحت ہے اور اس میں انسان کے افکار، غم اور پریشانیوں کی تاریکیاں دُور کر دینے کا بہترین سامان ہے۔

قُرآن میں مشغول رہنے والے کو زیادہ ثواب ہوتا ہے

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جسے قُرآن نے اِس قدر مشغول کر دیا کہ وہ کوئی دوسرا ذکر نہ کر سکا اور اس وجہ سے اُسے دُعا مانگنے تک کی فرصت نہ ہوئی۔ تو میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں"۔[3]

خُوش اِلحانی سے قرآن پڑھنے والا اللہ کو پسند ہے۔

نبی کریم علیہ السّلام نے فرمایا، "لِلّٰہُ اَشَدُّ اُذُنًا اِلَی الرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ"[4]

(اللہ تعالیٰ خوش آواز قرآن خواں کی آواز پر پوری توجّہ دیتا ہے) نہایت شوق کے ساتھ سُنتا ہے۔)

---

[1] ایضاً۔ [2] منازل العرفان فی القرآن از محمد مالک کاندھلوی ص ۲۰

[3] ترمذی باب فضائل القرآن جلد دوم ص ۳۴۵

[4] کنز العُمّال جلد اوّل ص ۱۵۰

قرآن پڑھتے وقت رونا

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے تو آپؐ نے بلند آواز سے پکارا

يَا حَامِلَ الْقُرْآنِ اُكْحُلْ عَيْنَيْكَ بِالْبُكَاءِ اِذَا ضَحِكَ الْبَطَّالُوْنَ [۱]

(اے قرآن کے حامل اپنی آنکھوں کو رونے کا سرمہ لگاؤ جب کہ لوگ ہنس رہے ہوں)

حضرت عبدالرحمٰن بن سائب بھی نہایت خوش الحان تھے، خود اُن کا بیان ہے کہ ایک دن میرے پاس حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آئے اور کہا "میں نے سُنا ہے کہ تم قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قرآن غم کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس لیے جب پڑھو تو روؤ۔ اگر نہیں روتے تو رونی صورت بناؤ۔ اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو۔" [۲]

ختمِ قرآن پر دُعا

طبرانی نے عرباض بن ساریہؓ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

مَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ۔ [۳]

(جو شخص قرآن مجید ختم کرتا ہے تو اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔)

طبرانی نے حضرت انسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔

اِنَّهُ اِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ جَمَعَ اَهْلَهُ وَدَعَا۔ [۴]

(جب وہ قرآن کریم ختم کرتے تھے، تو اپنے سب اہل وعیال کو اکٹھا کر کے دعا مانگا کرتے تھے۔)

آیت سجدہ پر سجدہ کرنیوالے کی فضیلت

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب کوئی شخص سجدہ کی آیت تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان گوشہ میں بیٹھ کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا۔ اُس نے سجدہ کر لیا۔ اُس پر جنت واجب ہو گئی۔ اور مجھ پر انکار کرنے کی وجہ سے جہنم کا حکم ہوا"۔ [۵]

---

[۱] ایضاً [۲]: ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن
[۳]: تاریخ القرآن محمد طاہر بن عبدالقادر الکردی ص = ۱۷۹- [۴]: ایضاً [۵] ایضاً مسلم شریف

آدابِ تلاوت

قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور عزت و تکریم کرنے کے آداب ہیں جن میں سے بعض اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائے ہیں اور بعض رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ پاک ہونا

قرآنِ کریم کو وہی لوگ ہاتھ لگائیں جو پاک ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1]

(اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں) جو شخص بے وضو ہو، وہ ناپاک ہے اور قرآنِ پاک کو نہیں چھو سکتا۔ تلاوت سے پہلے باوضو ہونا ضروری ہے۔ جہاں بیٹھے وہ جگہ بھی پاک صاف ہو اور ماحول خوش گوار ہو تو اور بہتر ہے۔ قرأت کے وقت مسواک کر لینا سُنّت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقٌ لِلْقُرْاٰنِ فَطَيِّبُوْهَا بِالسِّوَاكِ[2]

(تمہارے منہ قرآن مجید کے راستے ہیں، تم ان راستوں کو مسواک کر کے پاک صاف کر لیا کرو۔)

۲۔ اعوذ پڑھنا

تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ضرور پڑھا جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ[3]

(اور جب تو قرآن پڑھے تو اللہ کے ساتھ پناہ مانگ شیطان سے جو راندہ ہوا ہے)

۳۔ ترتیل

قرآنِ مجید کو آہستہ آہستہ ترتیل سے پڑھنا چاہیے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

"وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا"[4] (اور قرآن کو آہستہ آہستہ ترتیل سے پڑھ)۔

۴۔ تجوید

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ "حضورؐ کی قرأت ایسے ہوتی تھی کہ آپؐ کا ایک

---

[1]: الواقعہ آیت = ۷۹، [2]: تاریخ القرآن محمد طاہر بن عبدالقادر الکردی ص = ۱۷۵، [3]: الاعراف آیت = ۹۸
[4]: المزمل پارہ = ۲۹

ایک لفظ واضح اور جُدا ہوتا تھا"۔[۱]

خُوش الحانی

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔[۲] (تم اپنی آوازوں سے قُرآن کو زینت دو)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قُرآن پاک کو اچھے لہجے میں پڑھنا چاہیے۔ اور اِس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیئے کہ ہر لفظ واضح سنائی دے۔ مطلب یہ ہے کہ محبّت اور شوق سے پڑھیئے۔ اِس طرح نہ پڑھے کہ نہ الفاظ پورے ادا ہوں اور نہ لہجہ میں شیرینی ہو۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس طرح پڑھنے سے بھی منع فرمایا کہ اِسے محض راگ بنا دیا جائے۔

راگ اور گانے کی طرح پڑھنے سے ممانعت

حضرت خدیجہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "اپنے آپ کو عشقیہ نغموں میں اہلِ کتاب کی طرز پر قُرآن پڑھنے سے بچاؤ۔ میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قُرآن کو بنا بنا کر پڑھے گی۔ یعنی نغموں میں اور گا گا کر جیسے راگ اور نوحے گائے اور پڑھے جاتے ہیں۔ اور اُن کی حالت یہ ہوگی کہ قُرآن اُن کے حلقوم سے نیچے نہیں اُترے گا"۔ یعنی اُن کے دلوں پر اِس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔[۳]

دل لگا کر پڑھنا

سورۃ المزمّل میں ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔[۴]

(قُرآن میں سے جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔)

۱: ترمذی - ابو داؤد ۔ ۲: مشکوٰۃ شریف باب فضائل القرآن

۳: مشکوٰۃ باب فضائل القرآن ۔ ۴: المزمّل رکوع = ۲

طبیعت اُکتا جائے تو رُک جاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ ۔ [1]

(قرآنِ مجید کو اُس وقت تک پڑھو۔ جب تک اُس میں دل لگا رہے۔ جب طبیعت اُکتا جائے تو اُٹھ کھڑے ہو۔)

تین راتوں سے کم میں قرآن نہ پڑھنا چاہیئے

تین راتوں سے کم مدت میں قرآن ختم کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا"۔ جس نے تین راتوں سے کم میں قرآن ختم کیا۔ اُس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔ [2]

خشوع و خضوع سے پڑھنا

بعض لوگ تلاوت کرتے کرتے باتیں بھی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ قرآن پاک کے آداب کے خلاف ہے جب قرآن پڑھا جائے تو خود بھی خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھیں اور سننے والے بھی خاموش ہو کر توجہ سے سُنیں۔ قرآن پڑھا جا رہا ہو تو آپس میں باتیں شروع کر دینا اللہ کے کلام کی ناقدری اور ناشکری ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ [3]

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے توجہ سے سُنو اور خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تلاوت فرماتے تو جب تک فارغ نہ ہو جاتے کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے

---

[1] : بخاری باب کراھیۃ الخلاف ص ۱۲۶ ج - ۲ مصر ۱۳۰۴ھ

[2] : ترمذی ابواب القرأۃ ص ۳۵۵ - ج - ۲ ۔

[3] : الاعراف آیت = ۲۰۴ - ۵ : بخاری کتاب التفسیر

قُرآنِ پاک کا ادب کرنا

قُرآنِ پاک کی طرف پیٹھ یا پاؤں نہ ہوں۔ اُس سے آدمی اُونچا نہ ہو۔ قرآنِ پاک میں یہودیوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ [1]

(اُنہوں نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا)

مطلب تو یہی ہے کہ اُنہوں نے اُس کے احکام کو بھلا دیا۔ اُس کی پرواہ نہ کی۔ مگر ظاہر طور سے قُرآن پاک کی طرف پیٹھ کرنا بھی سُوءِ ادب ہے اور دلی احترام کے ساتھ ظاہری ادب بھی اتنا ہی ضروری ہے۔

مالی مَنفعت نہ بنانا

قُرآن کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ اِس کو مالی مَنفعت کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ یہود سے یہی فرمایا گیا تھا۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ [2]

(میری آیات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو)

کثرتِ تلاوت

مُداومت کرنا

قُرآنِ پاک کا ہم پر پہلا حق یہ ہے کہ اِسے کثرت سے پڑھا جائے۔ مُداومت یعنی ہیشگی کے ساتھ پڑھا جائے۔ اور سمجھ کر پڑھا جائے۔ اور اِسے پڑھ کر حق یہ ہے کہ اِس پر عمل کیا جائے کہ اصل ذریعہ نجات یہی ہے۔ تلاوت کے اوقات میں رات کو اور صبح کے وقت کو خُصوصی فضیلت حاصل ہے۔ بلا شُبہ اِن اوقات میں دل و دماغ قرآن کے پیغام کو سُننے کے لئے زیادہ سے زیادہ مُستعد اور تیار ہوتے ہیں۔

---

[1] : آل عمران آیت = ۱۸۷

[2] : البقرۃ آیت = ۴۱

ارشادِ ربانی ہے۔

يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ [1]

(وہ اللہ کی آیات کی تلاوت راتوں کے وقت کرتے رہتے ہیں (اور سجدہ ریز ہوتے ہیں)

تلاوت اور قرأت میں فرق

تلاوت کے معنی ہیں اتباع اور عمل کرنے کے لئے پڑھنا اور قرأت کے معنی ہیں پڑھنا۔

قرآنِ مجید پڑھ کر سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے والوں کی فضیلت کا کیا ٹھکانہ کہ خدا اُن کی قسم کھا رہا ہے۔

فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا [2] (قسم ہے ذکر یعنی قرآن پڑھنے والوں کی)

قرآن کے قاری بہت ہیں۔ لیکن لوگوں نے تلاوت کے مفہوم کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اور قرأت اور تلاوت کو ایک ہی سمجھتے ہیں [3]

حقیقت یہ کہ قرآن کو پڑھا جائے اور سمجھا جائے۔ اور نیّت اور ارادہ سے سمجھا جائے کہ اِس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے، تلاوت اِسے کہتے ہیں [4] ورنہ پڑھنے کو غیر مسلم بھی قرآنِ مجید پڑھتے ہیں۔ غیر مسلموں نے قرآن کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ مگر قرآنِ مجید پر عمل کرنا اور قرآن کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنا اُن کا مقصود نہیں ہے۔

سمجھ کر پڑھنا۔

ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور غور کرکے پڑھنے کی اہمیت کو مسلمانوں نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ نہ تلاوت ایسی ترتیل سے کی جاتی ہے اور نہ نماز میں قرأت سکون و اطمینان سے ہوتی ہے۔ بلکہ بڑی عجلت و سُرعت سے قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اور اِس بُنیادی غلطی میں پوری قوم گرفتار ہے۔ زیادہ کھانا مفید نہیں بلکہ بقدر

---

[1] : آلِ عمران آیت = ۱۱۳   [2] : الصّافات آیت = ۲

[3] : نہایۃ القول المفید فی علم التجوید ص = ۱۲ علامہ محمد مکی نصر مطبع مصر ۱۳۴۹ھ

[4] : ایضاً۔

ضرورت کھانا اور اُس کو ہضم کرنا مفید ہے۔ مطلب یہ کہ سُن کر، پڑھ کر، سمجھ کر عمل بھی کرنا چاہیے۔

ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں ہم میں سے جو دس آیات پڑھ لیتا تھا، تو جب تک مطلب نہیں سمجھ لیتا تھا آگے نہیں پڑھتا تھا۔[1]

قرآنِ مجید کی تلاوت کے ساتھ عمل نہ ہو تو اُسے علم نہیں کہیں گے۔

حضرت زیاد بن سعیدؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کوئی چیز بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ علم کے جانے کے وقت ہو گی۔" میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ "علم کیونکر چلا جائے گا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے لڑکوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکوں کو پڑھائیں گے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا۔" فرمایا۔ "تیری ماں تجھ کو روئے۔ میں تجھ کو مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا۔ کیا یہود و نصاریٰ انجیل و توراۃ کی تلاوت نہیں کرتے لیکن اُن میں جو کچھ ہے اُس سے بالکل بے خبر ہیں۔"[2]

اِس آئینہ میں اگر ہم اپنی تصویر دیکھیں تو کیا ہمارا بھی قرآن کے ساتھ یہی طرزِ عمل نہیں ہے ہم قرآن کی رُوح سے کس قدر دُور اور مہجور ہو گئے۔ قرآن پہ ہمارا ایمان ہے مگر قرآن سے ہماری بے خبری کس قدر افسوسناک ہے۔ ہم میں قرآن سمجھنے والے، پڑھنے والے اور عمل کرنے والے کتنے ہیں ؟

قرآن الفجر

فجر کے وقت تلاوت کی نفیلت قرآنِ کریم میں آئی ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے علاوہ صُبح کو قرآن پڑھنے کی ربّانی ہدایت کی گئی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا۔[3]

(بے شک صُبح کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔)

---

[1]: تاریخ القرآن محمد طاہر بن عبدالقادر کردی۔ ص۔ ۱۷۵

[2]: ابن ماجہ باب ذھاب العلم۔ [3]: بنی اسرائیل آیت = ۷۸۔

تاثیرِ قرآن

قرآنِ پاک ایک لاثانی شاہکار ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ زندۂ جاوید معجزہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ قرآنِ پاک نور ہے، ہدایت ہے، رحمت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ قرآنِ پاک پڑھنا گویا اللہ سے ہم کلام ہونا ہے اور جو لوگ عربی زبان نہ جانتے ہوں وہ بھی اس کی صوتی خوبیوں سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انہیں بھی اس کے روحانی اثرات سے کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور مل جاتا ہے۔ کیونکہ اثرِ الفاظ و معانی کے علاوہ کہنے والے کی شخصیت پر موقوف ہے ورنہ وہی الفاظ ایک کی زبان یا قلم سے نکلیں تو بے اثر ہوتے ہیں۔ اور کسی اور زبان و قلم سے نکلیں تو دلوں کو گرما دیتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔

قرآن سن کر حضورؐ کی کیفیت

حضرت سالمؓ ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تلاوت سننے کے لئے اپنے حجرے میں جاتے جاتے رک گئیں۔ اور جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو چادر مبارک سنبھالتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا "تعریف اُس خدا کی جس نے میری اُمت میں تمہارے جیسے آدمی کو پیدا کیا ہے"[1]

حضرت عبداللہ بن معودؓ سے حضورؐ نے فرمایا:

اِقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ قَالَ اِنِّيْ اَشْتَهِيْ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِيْ قَالَ فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتّٰى اِذَا بَلَغْتُ "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ" قَالَ لِيْ كُفَّ اَوْ اَمْسِكْ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ يَعْنِيْ تَسْفَحَانِ[2]

---

[1] : اصابہ فی تذکرۂ صحابہؓ تذکرہ سالمؓ

[2] : بخاری باب البکاء عند قراءۃ القرآن ص ۷۵۶ ج - ۲ -

(میرے سامنے قرآن مجید پڑھو۔ انہوں نے عرض کی۔ "اے اللہ کے رسول میں آپ پر قرآن کیسے پڑھوں جب کہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے۔" آپ نے فرمایا "میرا دل چاہتا ہے کہ دوسروں سے قرآن سنوں" حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں پھر میں نے سورۃ النساء پڑھی یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچا "پھر سوچو کہ اُس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اُن لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے" تو آپ نے فرمایا "رک جاؤ" تو میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔)

فاروقِ اعظمؓ پر قرآن کا اثر

حضرت عمر فاروق اعظمؓ زمانہ کفر میں کتنے سخت تھے مگر سورۃ طٰہٰ کی چند آیات سن کر دگرگوں ہو گئے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتے ہیں اور سیلاب اشک سے دل میں کفر کی جو بھی دھک رہی تھی سرد پڑ جاتی ہے۔ قلب نورِ ایمانی سے منور ہو جاتا ہے اور سیدھے آستانہ نبوت پر جا کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے ہیں۔[1]

علامہ اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے[2]

زشامِ ما بروں آور سحر را ۔۔۔ بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را

تو مے دانی کہ سوزِ قرأتِ تو ۔۔۔ دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

ایک تقدیرِ عمرؓ کے دگرگوں ہونے سے تاریخ نے کیسا سنہری ورق حاصل کر لیا۔ آہ وہ سوزِ قرأت کہاں ہے جس نے تقدیرِ عمرؓ کو دگرگوں کیا۔

قرآن سننے کیلئے فرشتوں کی حاضری

بخاری شریف میں حضرت اُسید بن حضیرؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ نمازِ تہجد میں سورۃ بقرۃ کی تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک اُن کا گھوڑا جو قریب بندھا ہوا تھا بدکنے لگا۔ وہ خاموش ہوئے تو گھوڑا رک گیا۔ پھر تلاوت شروع کی تو اُسی طرح گھوڑا پھر چمکنے لگا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو سر اوپر اٹھا کر دیکھا

---

[1]: سیرت ابن ہشام باب اسلام عمرؓ بن خطاب ص ۳۶۶ ج۔ اول۔ بیروت ۱۹۷۱ء

[2]: ارمغان حجاز شاعر مشرق از علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ عنوان دختران ملت ص ۔ ۱۳۳

تو ایک سائبان نظر آ رہا تھا۔ جس میں بہت سی شمعیں روشن تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا۔

تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ [1] (یہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت کی آواز سننے کے لئے قریب ہو گئے تھے۔ اگر تو برابر پڑھے جاتا تو عجیب وغریب مناظر دیکھتا اور لوگ اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھ لیتے)۔

کفار پر قرآن کی دہشت

قرآنِ مجید کی اثر اندازی اور دل ربائی نے کفار کو اس قدر دہشت زدہ کر رکھا تھا کہ وہ اس کی آواز کے کانوں میں پڑنے سے ڈرتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ [2]۔

(اس قرآن کی طرف توجہ نہ دو۔ اور شور ڈالو۔ تاکہ تم غالب آجاؤ)

جذبات کی عکاسی

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت وسماعت آنکھوں کو اشکبار بھی کرتی ہے اور لبوں پر موجِ تبسم بھی ابھارتی ہے۔ اور خشیت ومحبت کی ملی جلی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے جو آدمی کو رحمت و غفاریت کے سہارے غیر ذمہ دار اور فرض ناشناس نہیں ہونے دیتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

---

[1] : بخاری کتاب التفسیر باب نزول السکینۃ والملائکۃ عند قراءۃ القرآن ص ۱۴۲ ج ۲ مصر ۱۳۰۴ء

[2] : حٰم السجدۃ آیت ۔ ۲۶ ۔

رَبَّهُمْ۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔[1]

(اللہ تعالیٰ نے بہتر بات کتاب کی صورت میں اُتاری جو آپس میں ملتی جلتی اور دہرائی ہوئی ہے جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں۔ اُن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ کی یاد پہ نرم ہو جاتے ہیں۔)

عُتبہ پر قرآن کریم کا اثر

ایک دن حرم کعبہ میں قریش کے سرداروں کی محفل جمی ہوئی ہے۔ عُتبہ، ابوجہل، ابوسُفیان جیسے اکابر شریک ہیں۔ اُن کے چہروں سے پریشانی اور تردّد کے آثار نمایاں ہیں۔ گفتگو کا موضوع ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کریم، آپؐ کی دعوت و تبلیغ، آپؐ کے ساتھی، نئے دین کو ماننے والے، اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کے باغی، وہ سوچتے ہیں کہ اُن کو کیسے دبایا جائے۔ ہم ہر حربہ استعمال کر چکے ہیں لیکن کیا مجال ہے کہ یہ لوگ باز آئیں۔ محمدؐ کی لگائی ہوئی آگ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اب اِس کو روکنے کی ایک صورت یہ رہ گئی ہے کہ اُسے لالچ کے دام میں پھانسا جائے، اور دولت، عزّت، شہرت اور حُسن کے سبز باغ دکھائے جائیں۔ عتبہ نے کہا "ہاں یہ ترکیب ٹھیک ہے۔ اچھا میں جاتا ہوں۔"

سب مطمئن ہو گئے کہ عتبہ معمولی آدمی نہیں۔ چرب زُبان، فصیح اللّسان اور ذہین ہے۔ ذرا دیر میں محمدؐ کو رام کر لے گا۔ چنانچہ عُتبہ حضورؐ کے پاس گیا۔ حضورؐ سے کُھل کر بات کی اور ہر قسم کا لالچ دیا جب وہ سب کچھ کہہ چکا تو نبی پاکؐ نے فرمایا۔ اَبُوالولید تم اپنی کہہ چکے۔ بولا "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا۔ اب میری سُنو۔ آپؐ نے حٰمٓ السجدۃ کی چند آیات تلاوت کیں۔ حٰمٓ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ...... فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ[2] جن کا مطلب یہ ہے۔

---

[1]: الزمر آیت = ۲۳

[2]: حٰمٓ السجدۃ آیت = ۱ تا ۵۔

(حٰمٓ - یہ بڑی مہربان اور رحمت والی ہستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے یہ ایک نوشتہ ہے۔ جس کی ایک ایک آیت نکھری ہوئی ہے۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے نافع ہے جو دانشمند ہیں۔ ایمان لانے والوں کو بشارت سُنانے والا اور انکار کرنے والوں کو تنبیہ دلانے والا۔ پس ان اہل مکّہ میں سے اکثریت نے اس سے رُوگردانی کی اور وُہ سُنتے نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں جس طرف تُم بلاتے ہو۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔ اس لئے تم اپنی جگہ کام کرو۔ ہم اپنی جگہ کام کرتے ہیں)

اِن آیاتِ قُرآنی کے سُنتے ہی عُتبہ کے حواس جاتے رہے۔ مسحور ہوگیا۔ بڑھ کر دہن مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا "محمدؐ! قرابت کا واسطہ بس کر۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ گھر گیا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ پھر سردارانِ قریش سے کہا کہ "بخدا میں نے ایسا کلام سُنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سُنا تھا۔ خُدا کی قسم! نہ یہ شعر ہے نہ جادُو نہ منتر۔ اے سردارانِ قریش! میری بات مانو اور اُس شخص کو اُس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام کچھ رنگ لاکر رہے گا۔"

قریش کے سردار اس کی یہ بات سُنتے ہی بول اُٹھے۔ لو عُتبہ پر بھی اُس کا جادو چل گیا۔ عُتبہ نے کہا "میری جو رائے تھی وہ میں نے تمہیں بتا دی۔ اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔" [۱]

نجاشی شاہِ حبشہ پر قرآن کا اثر

نجاشی شاہِ حبش کے دربار میں جب حضرت جعفر طیارؓ نے سورۃ مریم تلاوت کی تو اُس پر رقّت طاری ہوگئی اور وُہ اتنا رویا کہ اُس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

قُرآن مجید میں ہے۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۔ [۲]

---

۱ : ابن ہشام جلد ۱ ص : ۳۱۳ - ۳۱۴

۲ : المائدۃ آیت : ۸۲

(اور جب اِس کتاب کو سُنتے ہیں جو سب سے آخری پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تو تُم دیکھتے ہو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اِس لئے کہ اُنھوں نے حق بات پہچان لی) وُہ بے ساختہ کہنے لگا۔

"خُدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کی روشنیاں ہیں"۔ [1]

ولید بن مُغیرہ پر قُرآن کا اثر

ولید بن مُغیرہ قریش کے روٗساء میں بڑی شخصیّت کا مالک تھا اور بہت نامور زُبان دان تھا۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ "قرآن کی کچھ آیات تو سنائیے۔ میں بھی سُنوں آپؐ پر کیا وحی آرہی ہے"؟ حضورؐ نے چند آیات پڑھ کر سُنائیں۔ اُس نے دوبارہ پڑھوا کر سُنیں تو بے تاب ہو کر کہنے لگا کہ

اِنَّ اَصْلَهٗ لَعَذْقٌ وَاِنَّ فَرْعَهٗ لَجَنَاةٌ اِسْتِعَارَةٌ مِنَ النَّخْلَةِ الَّتِي ثَبَتَ اَصْلُهَا وَقَوِيَ وَطَابَ فَرْعُهَا اِذَا جُنِيَ وَاللّٰهِ اِنَّ لِقَوْلِهٖ لَحَلَاوَةٌ وَاِنَّ اَصْلَهٗ لَعَذْقٌ وَاِنَّ فَرْعَهٗ لَجَنَاةٌ۔ [2]

(خُدا کی قسم! اِس میں تو کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، اِس کے نخل کی شاخوں میں پھل ہیں اور اِس کا تنا بھاری ہے۔ یہ ہرگز کسی انسان کا کلام نہیں خُدا کی قسم محمّدؐ کے کلام میں ایک عجیب حلاوت اور شیرینی ہے اس قول کی جڑ نہایت تروتازہ اور اس کی شاخیں ثمر دار ہیں۔)

قبیلہ بنو ذُھل کے سردار پر اثر

کتاب الروض الانف میں لکھا ہے کہ عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنو ذُھل بن شیبان کے نامور سردار کے سامنے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کریم کی سورۃُ الانعام کی چند آیات پڑھیں تو وہ انگشت بدنداں رہ گیا۔

---

[1]: ابن ہشام ص ۳۶ ج ۱ باب ارسال قریش الی الحبشۃ بیروت ۱۹۷۱ء

[2]: کتاب الروض الانف جزء اول ص ۱۷۳ مطبع جمالیہ مصر ۱۹۱۴ء

اور کلام الٰہی کی ظاہری اور معنوی خوبیوں نے اُسے مسحور کر کے رکھ دیا۔ [۱]

جبیرؓ بن مُطعم پر اثر

حضرت جبیرؓ بن مُطعم بھی بدر کے قیدیوں میں آئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ مغرب کی نماز میں سُورۃُ الطُّور کی تلاوت فرما رہے تھے میں کان لگا کر سُن رہا تھا۔ جب آپؐ اِن آیات پر پہنچے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ۔ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ [۲]

(کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ یا اِنہوں نے ہی زمین و آسمان بنائے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ یقین ہی نہیں کرتے۔ کیا تمہارے پروردگار کے خزانے اِن ہی کے قبضہ میں ہیں یا یہ کوئی حکمران ہیں)۔

حضرت جبیرؓ کہتے ہیں کہ "یہ آیات سُن کر میری حالت ایسی ہو گئی کہ گویا میرا دل اُڑا جا رہا ہے۔" [۳]

قبیلہ غفار کے شاعر اُنیس پر اثر

قبیلہ غفار کے ایک ممتاز اور نامور شاعر اُنیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوۂ نبوت کا شُہرہ سُن کر خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچتے ہیں۔ آپؐ کی زبان مبارک سے چند آیات سُن کر اُسی وقت واپس ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے جا کر کہتے ہیں۔

"لوگ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔ میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ لیکن یہ کاہنوں کا کلام نہیں۔ میں نے آپؐ کے کلام کو شعر کی اقسام پہ پرکھا ہے تو سمجھ گیا کہ یہ شعر نہیں۔ خُدا کی قسم آپؐ سچے اور لوگ جھوٹے ہیں۔" [۴]

---

[۱]: ایضاً [۲]: الطور آیات ۳۵ تا ۳۷

[۳]: بخاری کتاب التفسیر سورۃ الطور

[۴]: الاستیعاب ص ۱۱۳ جلد اول

لبید پر اثر

لبید عرب کا ملک الشعراء اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کا ایک اہم رکن تھا۔ اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا۔ "لبید کچھ اشعار تو سُناؤ"۔ لبید نے فوراً عرض کی "جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عطا فرمایا۔ اور مجھے "البقرۃ" اور "آل عمران" یاد کرادی [1] تو اب شعر کہنا زیبا نہیں"۔

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ حرف اللام (لبید) جلد ۔ ۴ ص ۲۶۲ ۔

تیسرا باب

حفاظتِ قرآن

قرآن مجید پروردگارِ عالم کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اور اس میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ چودہ سو برس سے یہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ اس کے ہر لفظ، حرف اور نقطے کی حفاظت کا ذمّہ خود پروردگارِ عالم نے لے رکھا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ [1]

(ہم نے یہ ذِکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں)

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ [2]

(بے شک جن لوگوں نے قرآن سے انکار کیا جب وہ اُن کے پاس آیا اور (وہ) کتاب نادر اور (عزت والی) ہے۔ باطل نہ اس کے آگے سے اس کے پاس پھٹکتا ہے نہ پیچھے سے۔ حکیم اور قابل حمد و معبود کی نازل کی ہوئی ہے آگے اور پیچھے سے اِس کے پاس جھوٹ نہ پھٹکنے کے یہ معنی ہیں کہ اِس میں نہ کوئی لفظ بڑھایا جا سکتا ہے

---

[1] : الحجر آیت = ۹

[2] حٰمٓ السجدہ آیت = ۴۲

اور نہ خارج کیا جاسکتا ہے۔ یعنی جس شان و ہیبت سے قرآن اُترا ہے۔ بغیر ایک شوشہ یا زیر و زبر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا۔ اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ رکھا جائے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اُس کے اُصول اور احکام کبھی نہ بدلیں گے۔ زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی مُوشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں، پر قرآن کے صُوری و معنوی اعجاز میں ہرگز ضُعف و انحطاط محسوس نہ ہوگا۔ قومیں قرآن کی آواز کو دبانے یا گُم کر دینے کے لئے کوشش کریں گی۔ لیکن اِس کے ایک نُقطے کو کم نہ کر سکیں گی۔ حفاظتِ قرآن کے متعلق یہ عظیم الشّان وعدۂ الٰہی صفائی اور حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو کر رہا ہے۔ جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصّب مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ لارڈ ولیم میور لکھتا ہے :-

" جہاں تک ہماری معلومات ہیں۔ دُنیا بھر میں ایک بھی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔" [1]

اہتمامِ حفاظت

واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک جمِ غفیر علماء کا ایسا رہا ہے جس نے قرآن کے عُلوم و مطالب اور نہ ختم ہونے والے عجائب کی حفاظت کی۔ کاتبوں نے رسمُ الخط کی، قاریوں نے طرزِ ادا کی، حافظوں نے اُس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک زیر و زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے۔ کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حُروف کی تعداد بتائی۔ حتّٰی کہ بعض نے ایک ایک اعراب زیر، زبر، پیش اور ایک ایک نُقطے کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حُفّاظِ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔

قرآن کریم کے بارے میں چند اعداد و شمار

قرآن پاک میں پارے	=	۳۰	سُورتوں کی تعداد	=	۱۱۴
تعدادِ رکوع	=	۵۴۰	حُروف کی تعداد	=	۳۴۰۷۴۰

[1] : لائف آف محمدؐ لارڈ ولیم میور

الفاظ کی تعداد =	۷۷۴۳۹	کُل آیات کی تعداد =	۶۲۳۶
منزلیں -	۷	سجدۂ تلاوت -	۱۴
زبر کی تعداد -	۵۳۲۴۲	زیر کی تعداد -	۳۹۵۸۲
پیش کی تعداد -	۸۸۰۴	مدّ کی تعداد -	۱۷۷۱
تشدید کی تعداد -	۱۲۷۴	نقطے - [۱]	۱۰۵۶۸۴

تعدادِ آیات	اہلِ مدینہ	کی تحقیق کے لحاظ سے =	۶۲۰۴
״	اہلِ شام	״ =	۶۲۲۶
״	اہلِ مکہ	״ =	۶۲۱۹
״	اہلِ بصرہ	״ =	۶۲۱۹
״	اہلِ کوفہ	״ =	۶۲۳۶ [۲]

ابو محمد حمانیؒ نے بیان فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے تمام قاریوں اور حافظوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ قرآن کریم کے کُل کلمات و حروف شمار کر کے مجھے بتاؤ۔ فرماتے ہیں میں بھی اُس جماعت میں شریک تھا اور ہم نے چار ماہ کی مدّت میں اس کام کو انجام دیا۔ تو کُل تعداد ۷۷۴۳۹ معلوم ہوئی۔

بے پناہ وُسعتیں

قرآن مجید میں بعض سُورتیں طویل ہیں بعض متوسّط اور بعض مختصر ہیں۔ مختصر ترین سورۃ الکوثر۔ العصر اور اِخلاص ہیں۔ لیکن جو لوگ قرآنی عُلوم سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی ہر مختصر سورۃ بھی اپنے مفہوم اور مُدعا کے لحاظ سے اپنے دامن میں بے پناہ وُسعتیں لئے ہوئے ہے۔

کتابت کا طریقہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر جب نزولِ وحی کا آغاز ہوا۔ اور قرآن مجید آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل

۱: الاتقان جلد اول ۲: ایضاً

ہونے لگا۔ تو آپؐ فوراً کسی ماہر کاتب صحابیؓ کو بلواتے اور نازل شدہ حصّہ لکھواتے۔ لکھوانے کے بعد اُسے فرماتے کہ پڑھ کر سناؤ۔ اگر کوئی غلطی ہوتی تو اُس وقت تصحیح کرا دیتے۔ اُس وقت جو صحابہؓ موجود ہوتے۔ اُن کو بھی سنا دیا جاتا۔ تو وہ یاد کر کے اپنے گھروں میں جا کر اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو سُنا دیتے تھے۔ اِس طرح وہ آیت فوراً ہی تمام مسلمانوں میں مشہور ہو جاتی۔ بعض صحابہؓ ایسے بھی تھے۔ جو اپنے طور پہ نازل شدہ آیات کو لکھ لیا کرتے تھے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبّہ میں قُرآن کے متعدّد نسخے لکھے ہوئے موجود تھے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جگہ قُرآن کے کچھ نسخے لکھے ہوئے دیکھے تو فرمایا کہ صرف یہی کافی ہیں۔ "خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو"۔ [1]

قرآن مجید کی کتابت بعہدِ نبویؐ مکمّل ہو چکی تھی

قُرآن کریم نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ ہی میں مکمّل لکھا جا چکا تھا۔ حدیث میں ہے۔

"ایک سفر میں مکّہ و مدینہ کے درمیان ایک شخص نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آ کر عرض کیا کہ "میرے قُرآن کا ایک جزو گم ہو گیا ہے"۔ [2]

ایک حدیث میں ہے۔

"حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کو دشمنوں کے ملک میں لے جانے سے منع فرمایا"۔ [3] اِس ہدایت سے غرض یہ تھی کہ اگر یہ کتاب کُفّار کے ہاتھ لگ گئی۔ تو وہ اس کی بے حُرمتی کریں گے۔

بعض جلیل القدر صحابہؓ نے کئی بار قرآنِ پاک لکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے چار مرتبہ لکھا۔ "حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو یُونس سے قرآن لکھوایا"۔ [4]

---

[1]: کنز العُمّال ص ۱۵۰۔ ج۔ ۱ [2]: کتاب المصاحف ابن ابی داؤد ص ۔ ۱۱۸

[3]: بخاری کتاب الجہاد الآداب الشرعیۃ باب السفر بالمصحف الی ارض العدو

جلد دوم ص ۔ ۲۹۹ ریاض ۱۹۷۱ء

[4]: ترمذی باب فضائل القرآن کتاب المصاحف لابن داؤد مطبع خیریۃ مصر ۱۹۳۶ء ص ۔ ۸۳ ۔

عبداللہ بن رافعؓ کہتے ہیں۔"میں نے حضرت اُمِّ سلمہؓ زوجۂ رسولؐ کے لئے قرآن لکھا"[1]

حدیث اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں اُنتیس صحابہؓ کے قرآن جمع کرنے اور مکمل لکھنے کا ذکر ہے۔ غیر مذاہب کے محققین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سے قرآن لکھے ہوئے تھے۔

قرآن میں بھی اس کی کتابت کے متعلق بے شمار شہادتیں موجود ہیں۔ کافر کہتے تھے۔ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔[2]

(کہ یہ تو پرانے قصے ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام لکھاتا ہے اور لوگ لکھتے ہیں) کتابتِ قرآن کے تاریخی ثبوتوں میں سے ایک حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ہے۔ ابن ہشامؒ نے اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر سے یہ ارادہ لے کر چلتے ہیں کہ شمعِ رسالت کا خاتمہ کر دیں گے۔ راستے میں کسی نے کہا تمہاری بہن اور اس کا شوہر مسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے گھر کی خبر لو۔ چنانچہ آپ سیدھے بہن کے گھر چلتے ہیں۔ وہ اس وقت حضرت خبابؓ سے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہی تھی۔ یہ سورۃ تحریری شکل میں حضرت خبابؓ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عمرؓ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر بہن نے حضرت خبابؓ کے ہاتھ سے کتاب لے کر چھپا دی۔[3] یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی قرآن کتابی شکل میں موجود تھا۔

ترتیبِ قرآن

ترتیبِ قرآن کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے کہ یہ ترتیب لبعد کے لوگوں کی دی ہوئی نہیں ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآنِ مجید کو اس طرح مرتب فرمایا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی تو حضورؐ اسی وقت اپنے کاتبوں میں سے کسی کو بلاتے اور اس کو ٹھیک ٹھیک قلمبند کرانے کے بعد ہدایت فرما دیتے کہ یہ سورت فلاں سورت کے بعد اور فلاں سورت سے پہلے رکھی جائے۔ اس طرح اگر قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا جس کو مستقل سورۃ بنانا پیشِ نظر نہ ہوتا،

---

[1] : ایضاً ص = ۸۷ [2] : الفرقان آیت = ۵

[3] : سیرت ابن ہشام ص ۳۶۷ ج اول بیروت ۱۹۷۱ء

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر درج کیا جائے۔ پھر اسی ترتیب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نماز میں اور دوسرے موقعوں پر قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور اسی ترتیب کے مطابق صحابہ کرامؓ بھی اُس کو یاد کرتے تھے۔

لہٰذا یہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ قرآنِ مجید کا نزول جس روز مکمل ہوا اسی روز اُس کی ترتیب بھی مکمل ہو گئی۔ جو اُس کا نازل کرنے والا تھا وہی اُس کا مرتب کرنے والا بھی تھا۔ جس کے قلب پر وہ نازل کیا گیا، اُس کے ہاتھوں اُسے مرتب بھی کرا دیا گیا۔ کسی دوسرے کی مجال نہ تھی کہ اُس میں مداخلت کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن کے مرتب اور مکمل کرنے کا کام خود ہمارے ذمے ہے۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی قرآنِ کریم کے سینکڑوں حفاظ موجود تھے۔ اور اُن میں سے بعض کتاب اللہ کے عشق میں اس حد تک آگے نکل گئے تھے کہ ایک ہی رات میں اُس کی تلاوت پوری کر لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابن العاص فرماتے ہیں کہ "میں نے قرآنِ کریم جمع کیا اور ہر رات پورے قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ "ہر مہینہ میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو"۔[1]

اگر اُس زمانے میں قرآنِ کریم کی سورتوں کو کسی خاص ترتیب سے مرتب نہ کیا گیا ہوتا تو اُسے حفظ کرنا۔ اور اُس کی تلاوت کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا؟ اتنی ضخیم کتاب کو سینوں میں محفوظ کرنے اور اُسے تلاوت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اُس کے مختلف اجزاء کو ایک مقررہ ترتیب دی جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں خود قرآنِ مجید کی لگاتار تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ ہر سال ایک مرتبہ قرآنِ مجید کا دور حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اور جس سال وصال پاک ہوا۔ اُس سال آپؐ نے دو مرتبہ قرآن سنایا۔[2] بہت سے صحابہ کرامؓ نے قرآنِ مجید پڑھا ہی آپؐ سے تھا مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ نے ستر سورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی تھیں۔[3] حضرت زید بنؓ

---

[1]: بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۶

[2]: بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۴۸

[3]: بخاری کتاب التفسیر ... القرار من اصحاب النبیؐ ج ۲ ص ۱۴۱ مصر ۱۳۰۴ھ

ثابت کہتے ہیں "میں نے پورا قرآن رسول اللہ کے سامنے پڑھا ہے"[1]۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں بستر پر لیٹے لیٹے سّتر سورتیں تلاوت فرمائیں۔ اُن میں سب سے لمبی سات سورتیں بھی شامل تھیں۔ اِس تاریخی شہادت نے ولیم میور جیسے مخالف کو بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کہ "اِس میں شک نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورتوں کو عبادات میں استعمال کر کے اُن کی شکل اور غالباً اُن کی ترتیب بھی مقرر کر دی تھی"[2]

فتح الباری میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ "جب بنی ثقیف نے اسلام قبول کیا تو میں بھی اُن کی سفارت میں شامل تھا۔ ہم نے صحابیوں سے پوچھا۔ "آپ قرآن پڑھنے کے لئے اُس کی تقسیم کس طرح کرتے ہیں" اُنہوں نے جواب دیا "ہم اِس طرح تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی تین سورتیں، پھر اگلی پانچ سورتیں، پھر اگلی سات سورتیں پھر اگلی نو سورتیں، پھر اگلی گیارہ سورتیں۔ پھر اگلی تیرہ سورتیں اور پھر سورۃ "ق" سے آگے باقی تمام سورتیں"[3]۔

قرآنِ حکیم کی یہ سات منزلیں بالکل وہی ہیں جو آج بھی مروّج ہیں۔ یہ حدیث اِس بات کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں کتاب اللہ کی مختلف سورتوں کو ایک مقررہ ترتیب دے دی تھی۔ اور یہ ترتیب بالکل وہی ترتیب ہے جو ہم تک پہنچی ہے[4]۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو جگہ جگہ الکتاب کہہ کر ذکر کیا ہے جس کے معنی مرتّب اور نوشتہ کے ہیں۔

---

[1]: ایضاً [2]: لائف آف محمدؐ لانڈ ولیم میور [3]: فتح الباری وفد ثقیف

[4]: کتاب المصاحف عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان سجستانی طبع اوّل مطبع خیریہ مصر ۱۹۳۶ م

علمِ تجوید و قرأت

تعریف و اہمیت

حُروف کا اُن کے مخارج سے ادا کرنا اور اِس انداز سے پڑھنا جس طرح اہلِ زُبان نے ادا کیا تھا اِس کو تجوید کہتے ہیں۔ اِس فن کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ عربی سے واقفیّت نہ ہونے کی وجہ سے حُروف میں فرق اور تمیز نہیں کی جا سکتی۔ جس کی وجہ سے معانی اور مطالب بدل جاتے ہیں۔ امام محمد بن الجزریؒ نے مقدّمہ جزریہ میں فرمایا ہے۔

"علمِ تجوید کو حاصل کرنا اور سیکھنا ضروری ہے جو شخص قُرآن کو تجوید سے نہ پڑھے گا۔ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ کلامِ خُدا کا کلام ہے"۔[1]

اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام کو صحیح انداز میں پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا[2] (قرآن حکیم کو ترتیل سے پڑھو)

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اِقْرَءُوا بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ[3]

"قُرآنِ کریم اِس انداز سے پڑھو جس طرح عرب پڑھتے ہیں" کہ الفاظ کی نزاکت کو سمجھتے ہیں تم بھی اُن کا اتباع کرو۔ یہ صرف اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اُصولِ قرأت اور علمِ تجوید سے واقفیّت ہوگی۔ اِس لئے رسولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ۔[4]

(قُرآن کا ماہر فرشتوں اور انبیاء کے ساتھ ہوگا)۔

ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ مہارت سے مرادؔ تجوید کے ساتھ تلاوت" ہے۔ لکھتے ہیں

---

[1]: مقدّمہ جزری بہ حاشیہ المنح الفکریۃ مقدّمہ جزری ص = ۲۳ شیخ الاسلام زکریا علی مقدمۃ الجزریۃ

[2]: سورۃ المزّمل۔ آیت = ۴ [3]: ابن ماجہ۔ بیہقی فی شعب الایمان۔

[4]: ابوداؤد باب فی ثواب قرأۃ القرآن جلد اوّل ص ۲۲۵۔

وَتَجْوِيْدُ الْقُرْآنِ هُوَ تَحْسِيْنُ اَلْفَاظِهٖ بِاِخْرَاجِ الْحُرُوْفِ مِنْ مَخَارِجِهَا۔[1]

(تجوید قرآن سے مراد الفاظ کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کرتے ہوئے مخارج کا لحاظ رکھنا ہے۔)

علم تجوید سیکھنا فرض ہے۔

مُلّا علی قاریؒ کے نزدیک علم تجوید سیکھنا اور فنِ قرأت جاننا واجب اور فرض ہے۔ لکھتے ہیں:

ثُمَّ هٰذَا الْعِلْمُ لَا خِلَافَ فِيْ اَنَّهٗ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَالْعَمَلُ بِهٖ فَرْضُ عَيْنٍ۔[2]

(اس بات پر اتفاق ہے کہ علم تجوید سیکھنا فرض کفایہ اور اس کے مطابق تلاوتِ قرآن فرضِ عین ہے)۔

علامہ محمد نصر مکیؒ فرماتے ہیں۔

وَقَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ الْمَعْصُوْمَةُ عَنِ الْخَطَاءِ عَلٰى وُجُوْبِ التَّجْوِيْدِ مِنْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى زَمَانِنَا وَلَمْ يَخْتَلِفْ فِيْهِ اَحَدٌ مِّنْهُمْ وَهٰذَا مِنْ اَقْوَى الْحُجَجِ۔[3]

(حضورؐ سے لے کر آج تک اُمت، تجوید کے واجب اور ضروری ہونے پر متفق ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور اختلاف کا نہ ہونا ہی اس کی فرضیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔)

غلط قرآن پڑھنے والا گنہگار ہے۔

فقہائے کرامؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ قرآن غلط پڑھنے والا گنہگار ہے کیونکہ غلط پڑھنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور معنی میں فرق پڑ جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

علم تجوید اور فنِ قرأت شروع ہی سے تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ امام ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمہ

---

[1]: المنح الفکریۃ علی متن الجزریۃ ملا علی قاریؒ ص = ۱۷ مطبع میمنیہ مصر۔

[2]: المنح الفکریۃ علی متن الجزریۃ ص = ۱۷ مطبع میمنیہ مصر و شرح مقدمہ جزریہ۔

[3]: نہایۃ القول المفید فی علم التجوید علامہ محمد مکی نصر مطبع مصر ۱۳۴۹ھ = ص = ۹

میں علم تجوید کے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے۔ جس میں لکھا ہے "جو لوگ تواترِ قرأت کو نہیں مانتے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جیسے قرآن تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے ایسے ہی قرأت بھی تواتر سے چلی آرہی ہے۔ اور اسی طرح چلتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے"۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ"۔ [2]

(قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا ہے)۔ یہ قرأتیں سات قاریوں کی طرف منسوب کر کے سبعہ قرأت مشہور ہو گئیں۔

حُسنِ قرأت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں قرآن کو صحت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید فرمائی، وہاں حُسنِ قرأت کی طرف بھی توجہ دلائی۔ آپ نے فرمایا۔

زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔ [3] (قرآن کو اپنی خوش آوازی کے ساتھ مزیّن کرو۔)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَیْسَ مِنَّا۔ [4]

(جس نے قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھا۔ وہ ہم میں سے نہیں)

یہاں تغنّی سے مراد ایسا غنا ہے جو اُصولِ قرأت کے مطابق ہونے کے ساتھ فنِ قرأت اور تجوید کے اُصول سے بھی مطابقت رکھتا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّقْرَءَ الْقُرْآنُ کَمَا اُنْزِلَ۔ [5]

---

[1]: مقدمہ ابن خلدون فصل ششم فی العلوم

[2]: بخاری کتاب التفسیر۔

[3]: ابو داؤد باب استحباب الترتیل فی القرأۃ جلد اوّل ص ۲۲۵ - مطبع مصطفیٰ مصر ۱۹۵۲ء

[4]: بخاری باب فضائل القرآن۔ [5]: ایضاً

(اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ قرآن کریم اسی طرح پڑھا جائے جس طرح نازل کیا گیا ہے)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔[1] (ہم نے قرآن کو ترتیل سے نازل کیا ہے)

اور ترتیل سے مراد تجوید ہے۔ اسی لئے علامہ امام جزریؒ فرماتے ہیں "فنِ قرأت خدا نے قرآن کے ساتھ اُتارا ہے۔ چونکہ قرآنِ مجید تجوید کے ساتھ اُترا ہے۔ اس لئے تلاوتِ قرآن سے پہلے قواعدِ قرأت معلوم کر لینا ضروری ہیں۔[2]

امامِ حدیث حضرت علقمہؓ بن قیس جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن میں خاص خوش الحانی (خوش آوازی) عطا فرمائی تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مجھ سے قرآن مجید پڑھوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے اِقْرَأْ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ (میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں قرآن مجید سناؤ) اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "حَسَنُ الصَّوْتِ تُزَيِّنُ الْقُرْاٰنَ"[3] (خوش آوازی قرآن مجید کی زینت بڑھا دیتی ہے۔)

فنِ قرأت جس قاری کی طرف منسوب ہے وہ آئمۂ قرأت کہلاتے ہیں۔ اس میں اُن کے ایجاد اور قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ قرأت کی سب سے مشہور اور اہم کتاب شاطبی میں صراحت ہے۔

ع وَمَا لِقِيَاسٍ فِي الْقِرَاءَةِ مَدْخَلٌ فَدُوْنَكَ مَا فِيْهِ الرِّضَا مُتَكَفِّلًا[4]

(قرأت میں قیاس کو کوئی دخل نہیں جو کچھ بھی ہے سماعی ہے)

اُن کا خیال دراصل حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور زید بن ثابتؓ کے اس فرمان کی تشریح ہے۔ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ كَمَا عُلِّمْتُمْ[5] (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ قرآن اسی طرح پڑھو جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے) یعنی حضورؐ نے جس طرح تمہیں سکھایا ہے۔

---

[1]: الفرقان آیت = ۳۲

[2]: مقدمہ جزریہ ص = ۲۳

[3]: کشکول مفتی محمد شفیع ص = ۱۹۳

[4]: کتاب سراج القاری المبتدی و تذکار المقری المنتہی (خلف بن احمد الشاطبی) ص = ۱۲۳ مطبع مصر ۱۳۳۰ھ

کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قرآن کے قاری کو خود آواز دیں گے۔

اِقْرَأْ الْقُرْآنَ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا۔[1]

(جس طرح دنیا میں قرآن پڑھتے تھے اُسی طرح پڑھتے ہوئے مدارج طے کرتے جاؤ۔ تمہاری منزل وہاں ہے جہاں تم آخری آیت کی تلاوت کرو گے)

پھر جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے تربیت یافتہ قاری فیض یاب ہو کر نکلے تو حضرت اُسید بن حضیرؓ کو ارشاد فرمایا۔ "تمہاری آواز نے فرشتوں کو مسحور کر دیا اور تمہاری زبان سے قرأت سننے کے لئے وہ آسمان سے نیچے اتر آئے۔ رات کو جو تم نے ایک بادل کے ٹکڑے میں ٹمٹماتے ہوئے چراغ دیکھے تھے۔ وہی فرشتے تھے۔ اگر تم صبح تک تلاوت میں مشغول رہتے۔ تو لوگ اُن کو ظاہراً دیکھ لیتے۔"[2]

اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو فرمایا۔ ابو موسیٰ "میں نے چھپ کر تیرا قرآن سنا۔ تیرے پڑھنے سے لحن داؤدی کی یاد تازہ ہو گئی۔"[3]

اور اُبی بن کعبؓ سے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِي اَنْ اَقْرَأَ عَلَيْكَ "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ، نَعَمْ فَبَكٰى۔[4]

(مجھے خدا نے حکم دیا تھا کہ تمہیں "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" یعنی سورۃ البیّنۃ سکھاؤں۔ انہوں نے عرض کی۔ "کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے" تو آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ تو وہ رو پڑے) جب وہ فارغ ہوئے تو انہیں خطاب دیا۔ اَقْرَأُكُمْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ (تم میں سب سے بڑا قاری اُبی بن کعبؓ ہے) کیوں نہ ہو۔ خدا نے جو اُن کا نام لے کر تربیت کا حکم دیا تھا۔

1: ابوداؤد۔ باب استحباب الترتیل فی القراۃ جلد اول ص ۲۳۸۔ مطبع مصطفیٰ حلبی ۱۹۵۲ء

2: بخاری کتاب التفسیر باب نزول الملائکۃ ج۔۲ ص۔۱۴۲ مطبع مصر ۱۳۰۴ھ

3: ترمذی۔

4: بخاری باب مناقب اُبی بن کعبؓ۔

اِن احادیث اور اقوال سے مقصود یہی ہے کہ علمِ تجوید کو اہمیت دی جائے۔ کیونکہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں "جب قرآن پڑھتے ہیں تو قرآن اُن پہ لعنت کرتا ہے"۔ اس لئے کہ یا تو وہ پڑھ کر عمل نہیں کرتے اور یا وہ بہت زیادہ غلط پڑھتے ہیں[1]"

---

[1]: المنح الفکریہ علی متن الجزریہ ملّا علیؒ قاری مطبع میمنیہ مصر ص ۱۸

حروفِ مُقطّعات

قُرآن کریم کی کئی سورتوں کے شروع میں الٓمٓ ۔ الٓمٓصٓ الٓرٰ ۔ الٓمٓرٰ ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ طٰہٰ ۔ طٰسٓمٓ ۔ طٰسٓ ۔ یٰسٓ ۔ صٓ ۔ حٰمٓ ۔ عٓسٓقٓ ۔ قٓ ۔ نٓ ۔ جیسے حرُوف لکھے ہوئے ہیں ۔ اِن حرُوف کو مُقطّعات کہتے ہیں ۔ اِن کے اصل معنیٰ تک کسی کی رسائی نہیں ۔ بلکہ یہ تو اللہ اور رسولؐ کے درمیان راز ہے ۔ جو کسی مصلحت و حکمت کی وجہ سے ظاہر نہیں کیا گیا ۔ اور بعض اکابرین سے جو اِن حروف کے معانی منقول ہیں ۔ اُن سے صرف تمثیل تنبیہ اور تسہیل مقصود ہے ۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے تو اب اِس کو شخصی رائے سمجھ کر غلط قرار دینا محض شخصی رائے ہے ۔

قُرآن کا راز

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ۔" ہر کتاب میں ایک راز ہوتا ہے اور قُرآنِ کریم کا راز سُورتوں کے ابتداء میں لکھے ہوئے یہ کلمات ہیں ۔"[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے" ہر کتاب میں ایک خاص بات ہوتی ہے اور قُرآنِ کریم میں خاص بات یہ حُروفِ تہجی یعنی مُقطّعات ہیں ۔"[2]

باطنی اشارہ

مشہور نحوی سیبویہ اور اُن کے اُستاد خلیل کہتے ہیں ۔" کہ یہ اُن سُورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں اُن کو لایا گیا ہے ۔ گویا جو مضامین اِن سُورتوں میں ذکر کیے ہیں ۔ یہ حروف اُن مضامین کے لئے اجمالی عنوان کا درجہ رکھتے ہیں ۔ جس طرح عنوان میں نفسِ مضمون کی طرف اشارہ ہوتا ہے ۔ اُسی طرح یہ حروف

---

[1] : تفسیر ابن کثیر جلد اوّل

[2] : تفسیر کبیر جلد ۳

مُقطعات بھی ایک باطنی رمز اور اشارہ ہوتے ہیں ۔

حروفِ تہجّی

علامہ زمخشریؒ اور قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ "حروفِ مُقطعات "حروفِ تہجّی" کے نام ہیں ۔ اِس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ کلام کا مادہ اور عنصر یہی حروفِ تہجّی ہیں ۔ اور اِن ہی سے مل کر کلام بنتا ہے ۔ تو قرآنِ کریم کی بعض سُورتوں کو اِن حُروف سے شروع کرنا اعجازِ قُرآن کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ یہ قُرآنِ کریم انہی حروف و کلمات کا مجموعہ ہے جن کو یہ لوگ اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں ۔ تو اے منکرو! اور کلامِ الٰہی میں شک و شبہ کا اظہار کرنے والو! "اگر تُم اِس قُرآن کو کلامِ الٰہی نہیں مانتے اور اس کو بشر کا کلام کہتے ہو تو تُم اِس جیسا کلام پیش کر کے دکھا دو"۔ کیونکہ اس کلام کا مادّہ وُہی حروفِ تہجّی ہیں ۔ جو تمہارے کلام کا مادہ ہے ۔ پھر آخر تُم کیوں ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہو؟ اس لئے ظاہر ہوا کہ یہ قُرآن اللہ ہی کا کلام ہے ۔ خصوصاً جب کہ اِن مُقطّعات کو پیش کرنے والا شخص ایک اُمّی ہو ۔ جس نے کسی اُستاد کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کیا ہو اور پھر اِن حُروف کو سُورتوں کی ابتدا میں جمع کیا ۔ جس کو سُن کر بڑے سے بڑا ادیب اور فصیح و بلیغ شخص بھی شُسدر اور حیران ہے [1]

اسرار و رموز

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے نزدیک حُروفِ مُقطعات اسرار و رموز کا درجہ رکھتے ہیں ۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا [2]

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں ۔ "حُروفِ مُقطّعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسرار و رموز کا درجہ رکھتے ہیں ۔ اور ان اسرار و رُموز کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہی جانتا ہے ۔ لیکن یہ رُموز ان حضرات پر بھی ظاہر

[1] : تفسیر زمخشری اور تفسیر بیضاوی

[2] : الفوز الکبیر شاہ ولی اللہؒ

ہو جاتے ہیں۔ جو علومِ نبوت کے وارث اور اسرارِ شریعت سے باخبر ہوتے ہیں۔ اور اُن کو عَلَّمْنَاہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات حُروفِ مُقطعات کے اسرار و رموز اُن کے سامنے اِس طرح خود بخود کھل جاتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں سنگریزے تسبیح پڑھتے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ اس تسبیح کو سُنا کرتے تھے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ باطنی حقائق اور اسرار و رموز کا وہی ادراک کر سکتے ہیں جو اربابِ باطن ہوں۔ جو باطنی صفائی اور قلبی نورانیت میں اس مقام پر پہنچے ہوں۔[2]

اللہ کے نام

سُدیؒ سے روایت کی گئی ہے کہ "سورتوں کے شروع میں اللہ کے ناموں میں سے کچھ نام ذکر کئے گئے ہیں جن کی تفریق قرآن میں کی گئی ہے"۔[3]

کرمانی نے "ق" کے بارے میں بیان کیا ہے "وہ اللہ کے اسم "قادر" اور "قاہر" کا ایک حرف ہے۔ اُن کے سوا کسی دوسرے عالِم نے "ن" کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسم "نُور" اور "ناصر" کے شروع کا حرف ہے"۔

اس طرح حُروفِ مُقطعات اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی نام سے ماخوذ ہیں۔

حُروفِ قسم

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ الٓمٓ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے اسمِ اعظم ہے۔ اُنہی سے یہ روایت بھی ہے کہ حُروفِ مُقطعات حُروفِ قسم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شروع میں بیان کر کے اُن کی قسم کھائی

---

[1] : تفسیر روح المعانی

[2] : ایضاً

[3] : الاتقان جلد دوم حُروفِ مُقطعات۔

ہے اور یہ سب اللہ کے نام ہیں۔"

حضرت اشہبؒ سے روایت ہے انہیں نے مالک بن انسؓ سے پوچھا کہ آیا کسی شخص کے لئے یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنا نام یٰسٓ رکھے تو انہوں نے جواب دیا۔ میری رائے میں یہ بات مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ پاک فرماتا ہے "یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ" یعنی کتاب کہ یہ نام ایسا ہے جس کا مسمیٰ میں خود بنا ہوں[1]

حُروفِ مُقطّعات عربوں میں مروّج تھے

"قاضی ابو بکر بن العربی نے اپنے سفرنامے کے فوائد میں یہ بات بیان کی ہے کہ سورتوں کے شروع میں آنے والے حروفِ مُقطّعات کے بارے میں یہ کہنا کہ اہلِ عرب ان کو جانتے نہیں تھے۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ اگر اہلِ عرب اس بات کو جانتے نہ ہوتے کہ ان حروف کا اُن کے ہاں کوئی مطلب نہیں ہے تو ضرور سب سے پہلے وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے متعلق اعتراض کرتے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ لیکن جہاں تک ثابت ہوا ہے معاملہ اس کے برعکس ہے۔

یعنی یہ کہ مشرکینِ عرب کے سامنے حٰمٓ فُصّلت" اور "صٓ" وغیرہ حُروفِ مُقطّعات کی تلاوت کی گئی اور انہوں نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ اس کی فصاحت و بلاغت کو تسلیم کیا۔ پھر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ مشرکینِ عرب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب میں کسی لغزش اور غلطی نکالنے کا حد سے بڑھا ہوا شوق اور اس کی بہت زیادہ جُستجو رہتی تھی لہٰذا یہ حُروفِ مُقطّعات بے معنی اور غلط ہوتے تو کبھی ممکن نہ تھا کہ یہ مشرکین کی نکتہ چینی سے بچ جاتے۔ اور یہی امر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایسے حروف کا استعمال اہلِ عرب کے ہاں معروف تھا اور اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔[2]

کچھ بھی ہو نہ تو ان حروف کا مفہوم سمجھنے پر قُرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار ہے۔ اور نہ یہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے معنی نہ جانے گا۔ تو اُس کے راہِ راست پانے میں کوئی نقص رہ جائے گا۔ لہٰذا ایک عام ناظر کے لئے کچھ ضروری نہیں ہے کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگرداں رہے۔

---

[1]: الاتقان جلد دوم
[2]: الاتقان از سیوطی جلد دوم

مُحکم اور مُتشابِہہ

قُرآن مجید میں اکثر آیات مُحکم ہیں اور چند آیات کو مُفسّرین نے مُتشابہہ کا درجہ دیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ[1]

(وُہی خُدا ہے جس نے یہ کتاب تُم پہ نازل کی ہے اِس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں ایک مُحکمات جو کتاب کی اصل بُنیاد ہیں اور دوسری مُتشابھات۔)

مُحکم پکّی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں۔ آیاتِ مُحکمات سے مراد وہ آیات ہیں، جن کا مفہوم متعیّن کرنے میں کسی کو اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے، جن کے الفاظ معنی و مدّعا پہ صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں۔ یہ آیات کتاب کی اصل بُنیاد ہیں یعنی قرآن کریم جس غرض کے لئے نازل ہوا ہے اُس غرض کو یہی آیتیں پُورا کرتی ہیں۔ اِنہی میں اسلام کی طرف دُنیا کو دعوت دی گئی ہے، اِنہی میں عبرت اور نصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں، اِنہی میں گمراہیوں کی تردید اور راہِ راست کی توضیح کی گئی ہے، اِنہی میں دین کے بُنیادی اُصول بیان کئے گئے ہیں۔ اِنہی میں عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور امر و نہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ پس جو شخص طالبِ حق ہو اور یہ جاننے کے لئے قُرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہو کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پہ نہ چلے، اُس کی پیاس بُجھانے کے لئے آیاتِ مُحکمات ہی اصل مرجع ہیں، اور فطرۃً اِنہی پہ اُس کی توجّہ مرکوز ہو گی۔ اور وہ زیادہ تر اُنہی سے فائدہ اٹھانے میں مشغول رہے گا۔

مُتشابہہ آیات

وہ آیات ہیں جن کا علم خُدا تعالیٰ نے اپنے واسطے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے بندوں میں سے کسی کو

[1] : آل عمران آیت = ۷

قطعی اور یقینی طور پر اس کی مراد پر مطلع نہیں کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات مثلاً "اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش" (یعنی وہ اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا) اور "کَشْفِ سَاق" (پنڈلی کو کھولنا) وغیرہ اور اسی طرح حروفِ مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ وغیرہ۔

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ متشابہہ اُس کو کہا جائے گا جس میں مختلف معانی اور متعدد احتمالات کا امکان ہو[1]۔

متشابہات کی کھوج اور تحقیق میں ایسے لوگ پڑتے ہیں جو کج فہم اور فتنہ پرور ہوتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔[2]

(جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اُن کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اِس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اُن پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ نبی کریمؐ نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا۔ "اے عائشہ! جب تم اس قسم کے لوگوں کو دیکھو تو اُن سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے زائغ (ٹیڑھے دل والے) رکھا ہے"۔[3]

طبرانی نے ایک روایت کبیر میں نقل کی ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں اپنی اُمت پر سب سے زیادہ جن چیزوں کا اندیشہ اور خوف کرتا ہوں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ کتاب اللہ کی ایسی

---

[1] : الاتقان علم الکلام

[2] : آل عمران آیت = ۷

[3] : بخاری و مسلم

آیات میں تاویلات کا دروازہ کھول لیں، حالانکہ اُن کی تاویل وحقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" لہ

یہاں کسی کو شبہہ نہ ہو کہ جب وہ لوگ متشابہات کا صحیح مفہوم جانتے ہی نہیں تو اُن پر ایمان کیسے لے آئے حقیقت یہ ہے کہ ایک معقول آدمی کو قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین محکمات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ متشابہات کی تاویلوں سے۔ اور جب آیاتِ محکمات میں غور وفکر کرنے سے اس کو یہ اطمینان حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ ہی کی کتاب ہے تو پھر متشابہات اس کے دل میں کوئی خلجان پیدا نہیں کرتے۔ جہاں تک اُن کا سیدھا سادھا مفہوم اُس کی سمجھ میں آجاتا ہے اُن کو وہ لے لیتا ہے اور جہاں پیچیدگی رُونما ہوتی ہے، وہاں کھوج لگانے اور موشگافیاں کرنے کی بجائے وہ اللہ کے کلام پر مجمل ایمان لاکر اپنی توجہ کام کی باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔ فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

"پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں چہرہ، ہاتھ، نفس اور آنکھ وغیرہ کا ذکر فرمایا، یہ سب اُس کی صفات ہیں اور یہ نہ کہنا چاہیے، کہ "ہاتھ" سے مراد اللہ کی قدرت اور نعمت ہے، کیونکہ اس صورت میں اللہ کی صفت کا باطل کرنا لازم آتا ہے، جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُس کی ایک صفت ہے بلا کسی کیفیّت اور مثال کے۔" کہ

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فکری اور عقلی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی صفات کی تہ تک پہنچنے اور اس کی پوری پوری حقیقت کے معلوم کرنے سے قاصر ہیں، اس وجہ سے جو صفات بھی قرآنِ کریم اور احادیث میں ذکر کی گئیں، اُن پر کسی کیفیّت اور مثال کے فرض کئے ہوئے ایمان لانا ضروری ہے یہی اہلِ حق کا مسلک ہے، مثلاً اللہ سمیع ہے بصیر ہے۔ لیکن وہ انسانوں اور مخلوق کی طرح سننے اور دیکھنے والا نہیں ہے وہ سنتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے واسطے کان جیسے اعضاء ہوں اور وہ دیکھتا ہے بغیر اس کے کہ وہ آنکھ کا محتاج ہو۔ بس اُسی طرح اُس کا قدم، ہاتھ اور نزول وغیرہ بھی ہے۔

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، کہ

"ہم محکم پر ایمان لاتے ہیں اور اُس پر عمل بھی کرتے ہیں، اور متشابہ پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن اُس پر عمل نہیں کرتے (کیونکہ) ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔" سہ

لہ: ابن طبرانی   کہ: فقہ اکبر   سہ: الاتقان بحث محکم ومتشابہ علامہ سیوطیؒ۔

اعجازِ قرآن

قرآنِ مجید کے اندازِ بیان کا نمایاں خاصہ اُس کا ایجاز ہے۔ قرآن مجید کے ایک چھوٹے سے جُملے یا ایک دو لفظوں میں وہ مطالب سمو دیئے گئے ہیں جو کوئی اور شخص لمبی چوڑی عبارتوں میں بھی پوری طرح ادا نہ کر سکے۔ اِس ایجاز کے ساتھ اِس کی عبارت میں بے پناہ روانی اور ایک پُرہیبت حُسن ہے، اِن تمام خوبیوں پر مُستزاد وہ بلا کا بے ساختہ اور بے حد سادہ اُسلوبِ بیان ہے جو بات کو سیدھا دل میں اُتارتا چلا جاتا ہے۔ یہ ساری خُوبیاں مل کر قرآن کے انداز کو وہ بے مثال حُسن اور بلندی عطا کرتی ہے۔ جس کی نقل آج تک کوئی انسان نہیں کر سکا۔ اور نہ کبھی کر سکے گا۔ یہی قرآن کا وہ شہرۂ آفاق مُعجزہ ہے جس کے بھروسے پر حضورؐ نے سب سے پہلے عربوں کو چیلنج کیا اور للکار کر کہا کہ اگر تم اِن باتوں کو نہیں مانتے اور سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئی بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنالی ہے، تو فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ [1] (اگر وہ سچے ہیں تو وہ بھی اِس قسم کا کلام لے آئیں۔)

جب وہ پُورے قرآن کی نظیر لانے سے قاصر رہے تو اُنہیں کہا گیا۔ کہ

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ [2]

(اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنالاؤ۔ اور خُدا کے سوا جس جس کو اپنی مدد کے لئے بُلا سکتے ہو بُلا لو)

لیکن جب وہ دس سُورتیں بھی نہ لا سکے تو قرآن نے چیلنج کیا کہ ایک سُورۃ ہی بنالاؤ۔

سُورۂ یونس میں ہے، قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ [3]۔

آپ فرما دیجیے کہ اگر تُم سچے ہو تو تُم بھی اِس طرح کی ایک سُورت بنالاؤ، اور اپنی مدد کے لئے جس کو بُلا سکتے ہو، بُلا لو۔

۱؎: الطور آیت = ۳۴ ۲؎: ہود آیت ۱۳ ۳؎: یونس آیت = ۳۸

سورہ بقرہ میں ہے،

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۔[1]

(کہ جو چیز ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے اگر تم اس کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو، تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔)

پوری دُنیا کو چیلنج

جب اہلِ عرب اپنی فصاحت و بلاغت کے باوجود قرآن کے مقابلہ میں ایک سورت بھی نہ لا سکے، تو قرآن کی آواز پوری روئے زمین پر گونجنے لگی اور دُنیا بھر کے لوگوں کو پورے وثوق اور یقین کے ساتھ پکار کر کہا، کہ

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔[2]

(آپ فرما دیں کہ اگر تمام جنّ و انس جمع ہو کر بھی قرآن کی مثال لانا چاہیں۔ تو نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے معاون ہی کیوں نہ ہوں۔)

قرآن مجید کس لحاظ سے بے مثل اور معجزہ ہے۔ اس کے بہت پہلو ہیں۔ کثرت سے مفسّرین اس بات کے قائل ہیں، کہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے مثل ہے یعنی جیسی عُمدہ اور فصیح و بلیغ عبارت قرآن مجید کی ہے ایسی عبارت کسی سے نہیں بن سکتی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں اور اسے اُن کے دعوے کی دلیل سمجھنا چاہیئے کہ جس زمانے میں جس چیز کا زیادہ چرچا ہوتا تھا۔ اُس وقت کے پیغمبر کو اُسی قسم کا معجزہ دیا جاتا تھا۔ چونکہ قرآن کے نزول کے زمانے میں عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین کو فصاحت و بلاغت قرآن کا ایسا معجزہ بخشا کہ بڑے بڑے قادر الکلام شاعر اور خطیب اس

---

[1]: البقرۃ آیت = ۲۳

[2]: بنی اسرائیل آیت = ۸۸

کے مقابل عاجز ہو گئے۔

قرآن کے اس دعوے کا جواب دُنیا سے آج تک نہیں بن آیا۔ مسیحی مبلغوں نے سارا زور صرف کر کے انجیل کا جو عربی ترجمہ تیار کیا ہے وہ قرآنی فصاحت و بلاغت کی گرد کو بھی نہیں پہنچا۔ قرآن کے اس معجزے کا اعتراف چار و ناچار مخالفوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔

پامر نے قرآنِ حکیم کا جو انگریزی ترجمہ کیا ہے وہ اس کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

"اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ بہترین عربی لکھنے والوں میں سے کوئی بھی کبھی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ کوئی ایسی تحریر پیدا کرے جو خوبی میں قرآن کے برابر ہو[1]" ایچ برشفلیڈ اپنی کتاب "جدید تحقیقات" میں لکھتا ہے "یقین دلانے کی قوت، فصاحت اور تحریر کے اعتبار سے قرآن لاجواب ہے۔[2]" آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ہے "اسلامی دُنیا میں سائنس کی تمام شاخوں کو جو حیرت انگیز ترقی ملی وہ بالواسطہ قرآن ہی کی وجہ سے تھی[3]۔"

یہ حقیقت ہے کہ مسئلہ اعجازِ قرآن اُمت میں ہمیشہ ہی سے نہایت مہتم بالشان مسئلہ رہا ہے۔ اور سبھی اہلِ اسلام کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے اور اس کی مثل کوئی کلام پیش کرنا بشری طاقت سے خارج ہے۔

قاضی عیاضؒ نے اپنی شفا میں فرمایا ہے کہ "قرآن اپنی حکیمانہ ہدایت کے لحاظ سے معجز[4] ہے"۔ قاضی ابو بکر اس کو روحانیت کے اعتبار سے معجز مانتے ہیں[5]۔ بہرکیف اس میں آداب ہیں، اخلاق ہیں، حسنِ معاشرت ہے، تزکیۂ نفس ہے۔ قوانین سیاست ہیں، انتظامِ مملکت کے ضابطے ہیں، انصاف و معدلت ہے کسب و تجارت

---

[1]: دیباچہ قرآن مجید انگریزی ترجمہ از پامر۔

[2]: جدید تحقیقات از ایچ برشفلیڈ

[3]: ایضاً

[4]: شفا قاضی عیاض

[5]: احکام القرآن قاضی ابو بکر ابن العربی۔

ہے۔حقوق ہیں،عبادات ہیں۔مؤاسات ہے۔مؤاخات ہے۔ترحم ہے۔رعایت ہے۔خیرخواہی ہے۔نصیحت ہے۔خدا کی ہستی اور وحدانیت ہے۔غرض اس میں پوری طرح انسان کی فلاح،بہبود اور اصلاح کا سامان موجود ہے،اور کچھ شک نہیں کہ وہ کیا وضاحت کے اعتبار سے اور کیا حکیمانہ ہدایات اور روحانیت کے لئے بے مثل اور بے نظیر ہے۔اور کوئی شخص اس قسم کی کتاب بنانے کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا۔

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چیلنج محض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اُس کی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے تھا۔ اعجازِ قرآن پر جس انداز سے بحثیں کی گئی ہیں۔اُس سے یہ غلط فہمی پیدا ہونی کچھ بعید بھی نہیں ہے۔لیکن قرآن کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنی یکتائی و بے نظیری کے دعوے کی بنیاد محض اپنے لفظی محاسن پر رکھے۔بلاشبہ قرآن اپنی زبان کے لحاظ سے بھی لاجواب ہے۔مگر وہ اصل چیز جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ انسانی دماغ ایسی کتاب تصنیف نہیں کر سکتا، اس کے مضامین اور اس کی تعلیمات ہیں۔اس کے اعجاز کے جو جو پہلو ہیں۔اور جن وجوہ سے ان کا من جانب اللہ ہونا یقینی اور انسان کا ایسی تصنیف پر قادر ہونا غیر ممکن ہے اُن کو خود قرآن میں مختلف مواقع پر بیان کر دیا گیا۔

بعض لوگ اس چیلنج کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا۔کسی شخص کے اسٹائل میں بھی دوسرا شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ہومر،رومی،شکسپیئر،گوئٹے،غالب،ٹیگور،اقبال سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ اُن کی نقل اتار کر انہی جیسا کلام بنا لانا کسی کے بس میں نہیں ہے، قرآن کے چیلنج کا یہ جواب دینے والے دراصل اس غلط فہمی میں ہیں کہ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ[1] کا مطلب قرآن کے اسٹائل میں اس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے، حالانکہ اس سے مراد شمائل میں مماثلت نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پایہ اور اس شان اور اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ۔جو صرف عربی ہی نہیں دنیا کی کسی بھی زبان میں ان خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی مدِ مقابل قرار پا سکے جن کی بنا پر قرآن ایک معجزہ ہے،مختصراً چند بڑی بڑی خصوصیات حسب ذیل ہیں جن کی بنا پر قرآن ایک معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے

۱۔ قرآن کی زبان ادب کا مکمل ترین نمونہ ہے

جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے، پوری کتاب میں ایک

[1] الطور آیت = ۳۴

لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے، جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین اندازِ بیان میں ادا کیا گیا ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایۂ بیان نیا ہے۔ جس سے تکرار کی بدنمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ اول سے لے کر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے، جیسے نگینے تراش تراش کر جڑے گئے ہوں۔ کلام اتنا مؤثر ہے کہ کوئی آدمی اسے سن کر سر دھنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ منکر اور مخالف کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ ۱۴ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو درکنار جس کے قریب بھی عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں نہیں پہنچتی۔ یہی نہیں بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ ۱۴ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیارِ فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا۔ حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں، دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املا، انشاء، محاورے، قواعدِ زبان اور استعمالِ الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو، لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا، اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا۔ اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے، اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے اور تقریر و تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو ۱۴ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی، کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے؟

۲۔ قرآن انقلاب انگیز کتاب ہے

یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوعِ انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اسی قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔

۳۔ قرآن کا موضوع وسیع ترین ہے

جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے۔ وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک

پُوری کائنات پر حاوی ہے ، وہ کائنات کی حقیقت اور اُس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے وہ بتاتی ہے کہ اِس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبّر کون ہے کیا اُس کی صفات ہیں ؟ کیا اُس کے اختیارات ہیں اور وہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جس پر اُس نے یہ پورا نظامِ عالم قائم کیا ہے ، وہ اِس جہان میں انسان کی حیثیت اور اُس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخّص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اُس کا فطری مقام اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وُہ قادر نہیں ہے ، وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لئے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے۔ جو حقیقت سے پوُری مطابقت رکھتا ہو اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں ، صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے ، نظامِ کائنات کے ایک ایک گوشے سے ، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وُجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وُہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا ہے اور صحیح راستہ جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا۔ کس ذریعہ سے اُس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں اُس کو بتایا جاتا رہا ہے ، وہ صحیح راستے کی صرف نشان دہی کر کے نہیں رہ جاتی۔ بلکہ اُس راستے پر چلنے کے لئے ایک پوُرے نظامِ زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد ، اخلاق ، تزکیۂ نفس ، عبادات ، معاشرت ، تہذیب و تمدّن ، معیشت ، سیاست ، عدالت قانون ، غرض حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوُری تفصیل کے ساتھ بتائی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور اُن غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دُنیا میں ہیں۔ اور کیا نتائج دُنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رُونما ہونے والے ہیں ، وہ اِس دُنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصّل کیفیت بیان کرتی ہے ، اِس تغیّر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے۔ دوسرے عالم کا پوُرا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے۔ اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا۔ کس طرح اُس کی دُنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا ، کن اُمور کی اُس سے باز پرس ہوگی۔ کیسی ناقابل انکار صورت میں اس کا پورا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ کیسی زبردست شہادتیں اُس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی۔ جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے۔ جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اِس وسیع

مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے، وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ معلومات بکھری جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس کا مصنف حقیقت کا براہِ راست علم رکھتا ہے۔ اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اس پر عیاں ہیں، کائنات پوری کی پوری اُس کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے، نوعِ انسانی کے آغاز سے اُس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی راہنمائی کر رہا ہے جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے اُن میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصورِ کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر و واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبۂ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اُس کے کلام میں موجود ہیں، اور اُن سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ اُن پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ ۱۴سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں، اور تجربے نے اُس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اِس شان کی کوئی انسانی تصنیف دُنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اِس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟

۴۔ قرآن کا بتدریج نزول ایک مشن کی تکمیل ہے

یہ کتاب پوری کی پوری بیک وقت لکھ کر دُنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریکِ اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد ۲۳ سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی، اُن کے حالات اور اُن کی ضروریات کے مطابق اِس کے اجزاء اس تحریک کے رہنما کی زبان سے کبھی طویل خطبوں اور کبھی مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے۔ پھر اس مشن کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزاء اس مکمل کتاب کی صورت میں مرتب کر کے دُنیا کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ جسے "قرآن" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، تحریک کے راہنما کا بیان ہے کہ "یہ خطبے اور جملے اس کے طبع زاد نہیں ہیں، بلکہ خداوندِ عالم کی طرف سے اُس پر نازل ہوئے ہیں۔"[1]

---

[1]: ترمذی

اگر کوئی شخص انہیں خود اُس رہنما کے طبع زاد قرار دیتا ہے، تو وہ دُنیا کی پُوری تاریخ سے کوئی نظیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان نے سالہا سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی بطور خود رہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلمِ اخلاق کی حیثیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے کبھی ایک مملکت کے فرمانروا کی حیثیت سے کبھی ایک برسرِ جنگ فوج کے قائد کی حیثیت سے۔ کبھی ایک فاتح کی حیثیت سے۔ کبھی ایک شارع اور مقنّن کی حیثیت سے۔ غرض بکثرت مختلف حالات اور اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تقریریں کی ہوں یا باتیں کہی ہوں وہ جمع ہو کر ایک مکمل مربوط اور جامع نظامِ فکر و عمل بنا دیں۔ اُن میں کہیں کوئی تناقض اور تضاد نہ پایا جائے۔ اُن میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تخیل اور سلسلۂ فکر کار فرما نظر آئے۔ اُس نے اوّل روز سے اپنی دعوت کی جو بنیاد بیان کی ہو آخری دن تک اُسی بنیاد پر وہ عقائد و اعمال کا ایک ایسا ہمہ گیر نظام بناتا چلا جائے۔ جس کا ہر جز دوسرے اجزاء سے کامل مطابقت رکھتا ہو، اور مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحبِ بصیرت آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اُس کے محرک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پورا نقشہ موجود تھا، اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیچ کے کسی مقام پر اُس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اُس پر منکشف نہ تھا۔ یا جسے بعد میں اُس کو بدلنا پڑا۔ اس شان کا کوئی انسان اگر کبھی گذرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلّاقی کا یہ کمال دکھایا ہو تو اُس کی نشان دہی کی جائے۔

۵۔ قرآن کی زبان اور اسٹائل منفرد ہے

جس رہنما کی زبان پر یہ خطبے اور جملے جاری ہوئے تھے، وہ یکایک کسی گوشے سے نکل کر صرف اُن کو سنانے کے لئے نہیں آجاتا تھا، اور انہیں سنانے کے بعد کہیں چلا نہیں جاتا تھا، وہ اس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں زندگی بسر کر چکا تھا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[1] اور اس کے بعد بھی وہ زندگی کی آخری ساعت تک ہر وقت اُسی معاشرے میں رہتا تھا، اُس کی گفتگو اور تقریروں کی زبان اور طرزِ بیان سے لوگ بخوبی آشنا تھے، احادیث میں اُن کا ایک بڑا حصّہ اب بھی محفوظ ہے جسے بعد کے عربی دان لوگ پڑھ کر خود بآسانی دیکھ سکتے تھے کہ اُس راہنما

[1]: یونس آیت = ۱۶

کا اپنا طرزِ کلام کیا تھا۔ اُس کے ہم زُبان لوگ اُس وقت بھی صاف محسوس کرتے تھے اور آج بھی عربی زبان کے جاننے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اِس کتاب کی زبان اور اِس کا اسٹائل اُس رہنما کی زبان اور اُس کے اسٹائل سے مختلف ہے۔ حتیٰ کہ جہاں اُس کے کسی خُطبے کے بیچ میں اِس کتاب کی کوئی عبارت آجاتی ہے، وہاں دونوں کی زُبان کا فرق بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دُنیا میں کوئی انسان کبھی اِس بات پر قادر ہوا یا ہو سکتا ہے کہ سالہا سال تک دو قطعی مختلف اِسٹائلوں میں کلام کرتا چلا جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ دو الگ اسٹائل دراصل ایک ہی شخص کے ہیں۔؟ عارضی اور وقتی طور پر اس قسم کے تصنّع میں کامیاب ہو جانا تو ممکن ہے لیکن مسلسل ۲۳ سال تک ایسا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص جب خُدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر کلام کرے تو اُس کی زبان اور اسٹائل کچھ ہو، اور جب خود اپنی طرف سے گُفتگو یا تقریر کرے تو اُس کی زبان اور اُس کا اسٹائل بالکل ہی کچھ اور ہو۔ یہ منکروں کے اِس اعتراض کا جواب ہے جو کہ اُنہوں نے قُرآن کو رسولؐ اللہ کی طرف منسوب کر کے کہا تھا کہ وَقَالُوٓا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔[1] (اور وہ کہتے کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں جو اُس کے پاس صبح و شام لکھوائے جاتے ہیں)۔

۶- قُرآن میں انسانی جذبات کارفرما نہیں ہیں

وہ رہنما اِس تحریک کی قیادت کے دوران میں مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہا۔ کبھی برسوں وہ اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے والوں کی تضحیک، توہین اور سخت ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا۔ کبھی اس کے ساتھیوں پر اِس قدر تشدّد کیا گیا کہ وہ مُلک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ کبھی دشمنوں نے اُس کے قتل کی سازشیں کیں۔ کبھی خود اُسے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ کبھی اُس کو انتہائی عُسرت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنی پڑی۔ کبھی اُسے پیہم لڑائیوں سے سابقہ پیش آیا۔ کبھی وہ دشمنوں پر غالب آیا اور وہی دشمن جنہوں نے اُس پر ظُلم توڑے تھے، اُس کے سامنے سرنگوں نظر آئے۔ کبھی اُسے وہ اقتدار نصیب ہوا جو کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے، ان تمام حالات میں ایک

[1]: الفرقان آیت: ۵

انسان کے جذبات ظاہر ہے کہ یکساں نہیں رہ سکتے۔ اُس رہنما نے اِن مختلف مواقع پر خود اپنی ذاتی حیثیت میں جب کبھی کلام کیا، اُس میں اُن جذبات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے جو ایسے مواقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن خُدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر اُن مختلف حالات میں جو کلام اُس کی زبان سے سُنا گیا وہ انسانی جذبات سے بالکل خالی ہے، کسی ایک مقام پر بھی کوئی بڑے سے بڑا نقاد اُنگلی رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کارفرما نظر آتے ہیں۔

۷۔ قُرآن وسیع اور جامع عُلوم کی کتاب ہے

جو وسیع اور جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اُس زمانے کے اہلِ عرب اور اہلِ روم و یونان و ایران تو در کنار اِس بیسویں صدی کے اکابرِ علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھپا دینے کے بعد آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ اِس شعبۂ علم کے آخری مسائل کیا ہیں؟ اور پھر جب وہ غائر نگاہ سے قُرآن کو دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کتاب میں اُن مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے، بلکہ اُن تمام عُلوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں، کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ۱۴۰۰ برس پہلے ریگستانِ عرب میں ایک اُمّی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی، اور اُس نے ہر بنیادی مسئلے پر غور و خوض کر کے اس کا ایک صاف اور قطعی جواب سوچ لیا تھا!

اعجازِ قُرآن کے اگرچہ اور بھی متعدد وجوہ ہیں، لیکن صرف اِن چند وجوہ ہی پر اگر آدمی غور کرے۔ تو اُسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ قُرآن کا معجزہ ہونا جتنا نزولِ قُرآن کے زمانے میں واضح تھا، اُس سے بدرجہا زیادہ آج واضح ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک یہ واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

رُموزِ اوقافِ قرآن مجید کیا ہیں

ہر ایک زبان کے اہلِ زبان جب گفتگو کرتے ہیں، تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے، کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے، قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے اہلِ علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں جن کو رموزِ اوقافِ قرآن مجید کہتے ہیں، ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رُموزِ اوقاف کو ملحوظ رکھیں، اور وہ یہ ہیں۔

o - جہاں بات پوری ہو جاتی ہے وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں یہ حقیقت میں گول ت ہے جو بصورت "ۃ" لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقفِ تام کی علامت ہے، یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے، اب "ۃ" تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے، اس علامت کو آیت کہتے ہیں۔

م - یہ علامت وقفِ لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیئے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اُردو میں یوں سمجھنی چاہیئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ "روکو، مت جانے دو" جس میں روکنے کا حکم اور نہ جانے دینے کی تاکید ہے تو روکو پر ٹھہرنا لازم ہے، اگر ٹھہرا نہیں جائے گا تو "روکو مت، جانے دو" ہو جائے گا۔ جس میں روکنے کی نفی اور جانے دینے کے حکم کا احتمال ہے، جو کہنے والے کے مطلب کے خلاف ہوگا۔

ط - وقفِ مطلق کی علامت ہے اس پر ٹھہرنا چاہیئے مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب پورا نہیں ہوتا اور ابھی کہنے والا کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج - وقفِ جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز - وقفِ مُجوَّز کی علامت ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص - وقفِ مُرخّص کی علامت ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیئے، لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے، تو رُخصت ہے

البتہ صؔ پر ملا کر پڑھنا زؔ کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے۔ الوصل اولیٰ کا اختصار ہے یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق ۔ قِيْلَ عَلَيْهِ الْوَقْفُ (کہا گیا ہے کہ یہاں وقف چاہیئے) کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔

صل ۔ قَدْ يُوْصَلُ (ملایا جائے) کی علامت ہے یعنی کبھی ٹھہرا بھی جاتا ہے کبھی نہیں۔ لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف ۔ یہ لفظ قِف ہے جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ، اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے۔ جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

س ۔ یہ سکتے کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیئے۔ مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ۔ لمبے سکتے کی علامت ہے۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیئے لیکن سانس نہ توڑے۔ سکتے اور وقفے میں یہ فرق ہے کہ سکتے میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفے میں۔

لا ۔ لا کے معنی "نہیں" کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ آیت کے اوپر اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک نہ ٹھہرنا چاہیئے، لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے۔ اس سے مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وقف اُسی جگہ نہیں چاہیئے جہاں عبارت کے اندر لکھا ہو۔

ك ۔ كَذٰلِكَ کی علامت ہے اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے۔ اُسی کا حکم اس پر بھی ہے۔

معانقہ۔ حاشیہ پر لکھی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ تین جملوں میں سے جن دو کو چاہو ملا لو۔

∴ ۔ یہ معانقہ کی علامت ہے حاشیہ پر "مع" ہوتا ہے۔ دو آیتوں کے مابین دو مقام پر "∴ ∴" دیئے جاتے ہیں۔

چوتھا باب

جمع و تدوینِ قرآن

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا مبارک اور مقدس مجموعہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف وقتوں میں وحیِ الٰہی کے ذریعہ نازل ہوا اور تقریباً ۲۳ سال میں پورا ہوا۔ اس میں وہ قوانین اور قواعد و ضوابط درج ہیں، جو خداوندکریم نے اپنے بندوں کے لئے مرتب اور وضع کئے ہیں اور جن پر چل کر انسان معاشرتی، تمدنی، اقتصادی، تجارتی، سیاسی اور اجتماعی ہر قسم کی ترقیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ہم اگر انبیاءؑ اور رسولوںؑ کو ریفارمر اور مُصلحین کے نام سے تعبیر کریں تو جدید اور نئے خیال کے لوگ اسے بخوبی سمجھ سکیں گے کہ ابتدا ہی سے اصلاح کا کام ان ربانی ریفارمروں ہی کے ذریعہ ہوتا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ زمانے کی ضروریات کے مطابق مختلف وقتوں میں مختلف ضابطے نازل فرماتا رہا ہے۔

قرآنِ مجید آخری ضابطہ اور آخری قانون ہے جو پوری دُنیا کی اصلاح کے لئے صادر اور نافذ ہوا ہے اور جس کے بعد اب قیامت تک کسی دوسری کتاب اور ضابطے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمّہ بھی خود ہی لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس منشا کو پورا کرنے کے لئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق کلام اللہ کی حفاظت کی دو صورتیں اختیار کی گئیں۔

۱۔ حفظ کرنا   (۲) تحریر اور کتابت کرنا۔

قرآنِ کریم کے جتنے حصّے نازل ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ انہیں یاد کرنے کے ساتھ ساتھ لکھ بھی لیا کرتے تھے اور اُن کے متعلق بہت احتیاط برتتے تھے۔

حفاظِ قرآن عہدِ نبویؐ میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی سینکڑوں صحابہ کرامؓ قرآنِ کریم کے حافظ ہو گئے تھے۔

اُن لوگوں کو قُرّاء کے نام سے پکارا جاتا تھا اُن کی تعداد کا اندازہ کچھ بئرِ معونہ کے تاریخی واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ بئرِ معونہ میں کافر قبیلے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی ایک جماعت دین سکھانے کی غرض سے مانگی۔ آپؐ نے ایک بہت بڑی جماعت روانہ کی۔ کافروں نے انہیں دھوکے سے شہید کر دیا۔ شہید ہونے والوں میں ستّر حُفّاظ تھے۔[1]

حضورؐ کے وصالِ پاک کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو مُسیلمہ کذّاب نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا اس کے مقابلہ میں سخت معرکہ ہوا جو جنگِ یمامہ کے نام سے مشہور ہے اس جنگ میں ۱۲۰۰ صحابہؓ شہید ہوئے۔ (جن میں تقریباً سات سو قُرّاء اور حُفّاظِ قرآن تھے۔[2]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جن لوگوں نے سارا قرآن مجید سینوں میں محفوظ کر لیا تھا، اُن میں ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن عمرؓ، طلحہؓ، سعدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، اُبَیّ بن کعبؓ جیسے بلند پایہ صحابہ کرامؓ کے نام شامل ہیں عورتوں میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت اُمِّ سلمیٰؓ کے نام اِس فہرست میں موجود ہیں اُس وقت سے لے کر آج تک دنیا میں قرآنِ مجید کے حُفّاظ کی کبھی کمی نہیں رہی۔

مطلب پر غور کر کے قرآن پڑھنا

اُس زمانہ میں لوگ جتنا قرآن پڑھ لیتے تھے اُس پر عمل بھی کرتے تھے اور باقاعدہ سوچ سمجھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جس کو جتنا قرآن یاد ہوتا تھا وہ گویا اُس کا عامل ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ جب کوئی شخص دس آیات سیکھ لیتا تو بس کر دیتا اور جب تک اُن کے معانی پر عبور حاصل نہ کر لیتا اُس سے آگے نہیں پڑھتا تھا۔ اس طرح جو حُفّاظ تھے وہ گویا نمونۂ تعلیمِ قرآن تھے اور اُن کے تمام اعمال اور افعال قرآنِ مجید کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

---

[1] : بخاری کتاب السّیر والجہاد باب العون بالمدد ج ۱ ص ۱۳ مصر ۱۳۰۴ھ

[2] : نہایۃ القول المفید محمد نصر مکی باب ہفتم ص ۱۸۷۔

اُن کا ہر عمل قرآنِ کریم کے احکام کی زندہ تفسیر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حفّاظ کی اتنی کثیر تعداد کے شہید ہو جانے سے مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا تھا اور اُنہوں نے سوچا کہ اگر یہی صورت رہی تو ممکن ہے آئندہ چل کر دُشواریاں پیش آئیں۔ اِس لئے اُنہوں نے ضبطِ تحریر میں لانے کی طرف توجّہ مبذول کی۔

قرآن کی کتابت

شروع شروع میں قرآنِ مجید کے مُنتشر اوراق کو یک جا جمع کر کے لکھنے کا کام حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے سپرد ہوا۔ وُہی انہیں لکھا کرتے تھے۔ تاہم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اِس کام میں حصّہ لیا۔ بعض صحابہؓ تو ایسے تھے کہ وُہ اپنے پاس رکھنے کے لئے خُود ہی قرآن لکھ لیا کرتے تھے اور اکثر لوگ زُبانی یاد کر لیتے تھے۔ عربوں کا حافظہ بہت تیز تھا۔ جو ضربُ المثل ہو گیا تھا۔ اُس وقت عربوں میں لکھنے پڑھنے والوں کی بہت کمی تھی سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ:

"بعثتِ نبوی کے وقت مکّہ معظّمہ میں صرف سترہ ۱۷ آدمی ایسے تھے جو معمولی طور پر لکھ پڑھ سکتے تھے[۱]۔ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اِس نعمت کو عام کرنا چاہتے تھے لیکن جب تک لکھے پڑھے لوگوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو، اُس وقت تک یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس لئے آپ نے لوگوں میں لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا کرنا شروع کیا۔ اسیرانِ بدر میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اُن کا فِدیہ حضورؐ نے یہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ مُنورہ کے دس دس بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، اُس کے بعد وہ خود بخود اپنے آپ کو آزاد سمجھیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بہت سے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا آ گیا۔[۲]

لکھنے پڑھنے کا رواج

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ مُنورہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو اُس وقت وہاں ایک یہودی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔ مدینہ مُنورہ میں اُس وقت تقریباً ۱۹ آدمی ایسے تھے جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔

---

۱ : فتوح البلدان ص ۴۵۶ — ۲ : سیرت ابن ہشام

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے ہجرت کے بعد حضورؐ کے ارشاد کے مطابق یہودیوں سے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اُن میں حضرت زید بن ثابتؓ انصاری، مُنذر بنؓ عمرو، اُبّی بن وہبؓ اور عمرو بنؓ سعید وغیرہ شامل ہیں۔

اِس کے بعد عام لوگوں میں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہوتا چلا گیا اور بہت سے مسلمان حضورؐ کی زندگی میں ہی لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔

شروع میں لکھنے کے لئے صرف رقّ (چمڑے کے ٹکڑے) ہی استعمال کئے جاتے تھے مگر بعد میں عُسیب (کھجور کی شاخیں)، لُخّف (پتھر کی سلیٹیں)، اکتف (بکری یا اُونٹ کے شانے کی چوڑی ہڈّی)، قتب (پالان کی لکڑی) وغیرہ اشیاء بھی لکھنے کے لئے استعمال ہونے لگیں۔ کاغذ کا اُن دنوں کسی کو علم تک بھی نہ تھا۔

کاتبینِ وحی

روضۃُ الاحباب میں ہے کہ چالیس صحابہؓ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے کتابتِ وحی پر مامور اور مقرر تھے۔ اُن میں مشہور حضرات یہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدّیقؓ، عمرؓ بن خطّاب۔ عثمانؓ بن عفّان، علیؓ بن ابی طالب، زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن مسعودؓ، زبیرؓ بن عوام، خالدؓ بن سعید، حنظلہؓ بن ربیع، علاءؓ، خالدؓ بن ولید، عبداللہؓ بن رواحہ، محمدؓ بن مسلمہ، عبداللہؓ بن عبداللہ، مغیرہؓ بن شعبہ، عبداللہؓ بن عمرو بن العاص، معاویہؓ بن ابو سفیان، جہمؓ بن صلت، معیقیبؓ، عبداللہؓ بن ارقم، زہری، ثابتؓ بن قیس بن شماس، حذیفہؓ بن یمان، عامرؓ بن فہیرہ، عبداللہؓ بن ابی سرح، سعید بن جبیرؓ، ابانؓ بن سعیدؓ [1]

قرآنِ کریم حضورؐ کے سامنے پورے کا پورا جمع کیا گیا اور آپؐ کی موجودگی میں لکھا گیا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر جب بھی قرآن کا کوئی حصّہ نازل ہوتا تھا، آپؐ کسی کاتب کو بُلا کر نازل شُدہ حصّے کی کتابت کا حکم دیتے تھے، اور رأس آیت یا سورت کا اصل مقام بھی متعیّن فرما دیا کرتے تھے۔

مذکورہ کاتبوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور آپؐ کے پاس موجود رہتا تھا وہ بغیر کسی کمی، زیادتی، نقص اور تغیّر و تبدّل کے فوراً لکھ لیا کرتے تھے۔

---

[1]: تاریخ طبری۔ طبقات ابن سعد۔

کاتبینِ وحی کی اِس جماعت میں سے کوئی نہ کوئی ضرور حضورؐ کی خدمت میں ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اور جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی حتیٰ کہ اگر صرف ایک ہی کلمہ نازل ہوتا، تو آپؐ کسی کو بلا کر کتابت کرا دیتے تھے جیسے آیت "لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" میں لفظ "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" بعد میں علیحدہ نازل ہوا۔ تو اُسی وقت آپؐ نے فرمایا "اِیْتُوْنِیْ بِالْکَتِفِ وَالدَّوَاۃِ" (کہ میرے پاس بکری کے شانہ کی ہڈی اور دوات لے آؤ) اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو فرمایا کہ "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" کے بعد لفظ "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" بھی لکھ دو۔ تو اُنہوں نے اُس ہڈی پہ یہ لفظ لکھ دیا[1]

اِس اضافے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں کہ "جس وقت آیت "لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" نازل ہوئی اور حضورؐ اِس آیت کو مجھ سے لکھوا رہے تھے تو عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم نابینا صحابی مجاہدین فی سبیل اللہ کی فضیلت سُن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں تو نابینا شخص ہوں اگر مجھ میں استطاعت ہوتی تو میں جہاد کرتا۔ مجھے اپنی محرومی پہ افسوس ہے۔ حضرت زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور جب وحی نازل ہو چکی تو آپؐ نے فرمایا اِس آیت کے درمیان "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" لکھ دو[2]"

زید بن ثابتؓ فرماتے تھے کہ "اُس ہڈی پہ ایک شگاف اور ٹوٹنے کا نشان تھا، جس کے بعد یہ لفظ لکھنا پڑا۔ تو وہ شگاف اب بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔ جو لفظ "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" اور "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" کے درمیان واقع ہو گیا تھا۔"[3]

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو آپؐ کاتبینِ وحی میں سے کسی کو فرما دیتے تھے کہ اِس کو فلاں جگہ پہ رکھو۔ جہاں یہ مضامین و آیات ہیں، اِس طرح ابتدا اور انتہا کا تعین فرما دیتے تھے[4]" حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ پہ جب وحی نازل ہوتی آپؐ مجھے بلاتے، میں تختی وغیرہ لے کر حاضرِ خدمت ہوتا۔ آپؐ اُس پہ لکھواتے اور پھر سنتے اگر کوئی غلطی ہوتی تو آپؐ صحیح کرا دیتے پھر میں اُن کو لوگوں میں لاتا تھا۔

---

[1] : بخاری باب جمع القرآن
[2] : جامع ترمذی کتاب التفسیر۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج ۱ : [2] : النساء آیت = ۹۵
[3] : بخاری۔ [4] : جمع الزوائد۔ [4] : الاتقان

حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ "قرآن کریم چار آدمیوں سے سیکھو اُن میں سب سے اوّل عبداللہؓ بن مسعود کا نام ذکر کیا پھر سالمؓ مولی ابی حذیفہ معاذؓ بن جبل اور اُبیؓ بن کعب کے نام ذکر فرمائے۔" [1]

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے آپ نے فرمایا "خدا کی قسم نبی کریمؐ کے صحابہؓ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ میں اُن سب میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم ہوں" [2]

اور اُن ہی سے حدیث میں یہ بھی روایت کیا گیا ہے "قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کتاب اللہ کی جو بھی سورت نازل ہوئی میں جانتا ہوں کہ وہ کس جگہ اور کس مقام پہ نازل ہوئی اور جو بھی آیت نازل ہوئی اُس کے متعلق یہ علم بھی ہے کہ وہ کہاں اور کس شخص کے بارہ میں اُتری اور اگر میں کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم کر لوں کہ وہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے، تو مجھے اگر سواری پہ بھی اُس شخص تک پہنچنا پڑے تو ضرور جاؤں گا۔" [3]

زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور حال یہ تھا کہ قرآن کریم کسی مجموعہ میں مرتب نہیں تھا" [4] لیکن یہ چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کے پتوں پہ بکھرا ہوا پورا موجود تھا۔ [5]

حارث محاسبی نے کتاب فہم السنن میں فرمایا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنیہ کو مختلف ٹکڑوں اور ہڈیوں، کھجور کی چھال اور پتھروں وغیرہ پہ کتابت کرنے کا حکم فرما دیتے تھے اور یہ سب لکھے ہوئے اوراق کی طرح حضورؐ کے حجرہ میں محفوظ پائے گئے، تو گویا کسی جمع کرنے والے نے پھر اُن سب کو ایک سلسلے میں مربوط اور جمع کر دیا اور اُنہیں ایک لڑی میں پرو دیا اور یہ لڑی میں پرونے والا حضورؐ کے وصال پاک بعد ابوبکرؓ صدیق ہے" [6]

---

[1]: بخاری باب القرار من اصحاب النبیؐ ج - ۳ - ص : ۱۴۱ مطبع خیریۃ مصر ۱۳۰۴ھ

[2]: بخاری ایضاً [3] باب القرار من اصحاب النبیؐ ج - ۳ - ص : ۱۴۱

[4]: الاتقان فی علوم القرآن - ج : ۱ - [5]: کتاب المصاحف لابن ابی داؤد سجستانی ص ۵

[6]: الاتقان ج ۱ -

ابو بکر صدیقؓ کا اہتمام جمعِ قرآن

کتابی شکل میں تدوین

اگرچہ قرآنِ کریم کی ہر آیت نازل ہونے کے ساتھ ہی لکھ لی جاتی تھی۔ اور سینوں میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام سورتوں کو ایک کتاب میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جب تک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود تھے یہ امکان باقی تھا کہ کچھ اور آیات نازل ہوں۔ وحیِ الٰہی نے تکمیلِ دین کا پیغام حجۃ الوداع کے دن دیا اور اس کے بعد جلد ہی سید البشر کو رفیقِ اعلیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔

تدوین کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ پاک کے بعد صورت حال بدل گئی۔ اب کتاب اللہ حتمی طور پر مکمل ہو چکی تھی۔ صحابہؓ کرام کو اس بات کا اطمینان تھا۔ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ ترتیب کے مطابق سینکڑوں سینوں میں محفوظ ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلافت سنبھالتے ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے کتاب اللہ کے کتابی شکل میں مدون کرنے کی فوری ضرورت پیدا کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھ بند کرتے ہی مرتدین کے فتنے نے سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس فتنے کو کچلنے کے لئے صدیقِ اکبرؓ کو تلوار اٹھانا پڑی۔

مسیلمہ کذاب کیساتھ خونیں معرکہ

مرتدین کے سب سے بڑے سرغنہ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کے ساتھ یمامہ کے مقام پر ایک خونیں معرکہ ہوا جس میں بارہ سو (۱۲۰۰) مسلمان مجاہدین کام آئے[1] شہید ہونے والوں میں ۷۰۰ قاری

[1] طبری ج ۲ ص ۵۰۴

اور حافظِ قرآن بھی شامل تھے۔[1] اس سے حضرت عمرؓ کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا کہ اگر خدانخواستہ حفّاظِ قرآن اس کثرت سے جنگوں میں شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا اس لئے قرآن کریم کے بکھرے ہوئے تحریری ٹکڑوں کو یک جا کر کے انہیں ایک کتاب کی شکل دے دی جائے۔ آپ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ صدّیق کے مُشیرِ خاص تھے آپ ہی نے اُن سے تحریک کی حضرت ابوبکرؓ صدّیق کو اتباعِ رسولؐ کا اس حد تک خیال تھا کہ آپ نے فرمایا۔

"میں ایک ایسے کام کو کس طرح ہاتھ ڈال سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا۔"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "موجودہ حالات میں بہترین طریق کار یہی ہے کہ کتابُ اللہ کو کتابی شکل دے دی جائے۔ اِس میں بہتری ہے"۔

زیدؓ بن ثابت کو تدوین کی ہدایت

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی اس تجویز کو منظور کر لیا اور حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری کاتبِ وحی کو بُلا کر ہدایت کی کہ "آپ عقل مند اور جوان آدمی ہیں اور آپ کی دیانت و صداقت پر بھی کسی کو شبہ نہیں ہے۔ آپ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں وحی لکھی تھی اس لئے آپ ہی اس کام کو انجام دیں"۔[2]

امام بخاریؒ حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ "خلیفۂ اوّل نے مجھ سے فرمایا تم رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وحی لکھا کرتے تھے اس لئے قرآن کے لکھے ہوئے اجزاء تلاش کرو اور اُنہیں ایک کتاب کی شکل دو" میں نے عرض کیا "آپ ایسا کام کس طرح کر سکتے ہیں جو خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا مجھے یہ کام ایسا مشکل نظر آتا تھا کہ اگر مجھے ایک پہاڑ ہٹانے کے لئے کہا جاتا۔ تو وہ کام میرے لئے اتنا مشکل نہ ہوتا"۔[3]

حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے فرمایا "یہ سچ ہے لیکن کارِ خیر میں کیا مضائقہ؟ حضرت زیدؓ کو پھر بھی اس کام کو سرانجام دینے میں تامّل ہوا۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا تو وہ آمادہ ہو گئے"۔[4]

---

[1]: نہایۃ القول المفید فی علم التجوید علّامہ محمد مکّی نصر باب ہفتم صفحہ = ۱۸۷

[2]: بخاری کتاب التفسیر باب جمع القرآن ج ۲ ص۔ ۱۴۰ مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۴ء

[3]: بخاری ایضاً۔ [4]: مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۸ (بخاری ایضاً)

زیدؓ بن ثابت کا تدوین کے متعلق تردّد

حضرت زیدؓ اس کام کو اس لئے مشکل خیال کرتے تھے کہ انہوں نے حضورؐ کی مدنی زندگی میں ہی کاتب وحی کا کام انجام دیا تھا لیکن قرآنِ مجید کا زیادہ حصہ مکہ میں نازل ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اِس کام کے لئے اُن کے ساتھ صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کو مقرر کیا جن کی تعداد ۷۵ تک بیان کی جاتی ہے اِن میں حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت سعیدؓ بن عاص تھے۔

حضرت زیدؓ کے ذمہ یہ کام تھا کہ قرآن کے اُن تمام اجزاء کی تلاش کریں جو حضورؐ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے سامنے لکھوائے تھے۔ بے شک وہ تمام اجزاء نہایت احتیاط سے محفوظ کر لئے گئے تھے مگر وُہ کسی ایک صحابی کے پاس جمع نہ تھے۔ وہ اُونٹ کی ہڈی، چمڑے کے ٹکڑوں کھجور کے پتّوں اور تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور مختلف صحابۂ کرامؓ کے پاس تھے۔

زیدؓ بن ثابت کا تدوین کے لئے طریقِ کار

اگرچہ چند حفّاظ کو بلا کر اُن کی زبانی سارا قرآنِ مجید کتابی شکل میں بھی جمع کیا جا سکتا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دیگر کبار صحابہؓ خود قرآن کے حافظ بھی تھے اور وُہ پُوری صحت کے ساتھ اس نُسخے کی جانچ پڑتال بھی کر سکتے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ اِس صورتِ حال پر مطمئن نہ تھے اُن کی ہدایت یہ تھی کہ زیدؓ قرآنِ مجید کے اُن تحریری اجزاء کو جمع کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھے گئے تھے یہ احتیاط اِس لئے ضروری تھی کہ تیار ہونے والا مصدّقہ نسخہ ہر قسم کے شک و شبہہ سے پاک ہو۔

حضرت زیدؓ نے اپنا کام انجام دینے کے لئے جو طریقِ کار اختیار کیا اُس کی تفصیل بخاری شریف میں اِن الفاظ میں درج ہے۔ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ۔

(میں نے قرآن کی تلاش شروع کر دی اور اُسے کھجور کے پتوں، پتھر کی تختیوں اور صحابہؓ کے سینوں سے جمع کیا)[1]

---

[1] : بخاری ج ۳، ص ۔ ۱۴۳ (باب جمع القرآن مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۴ھ)

انہوں نے حافظوں اور قاریوں سے بھی سُنا اِس کے علاوہ وُہ خود بھی حافظِ قرآن تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کر چکے تھے، وہ فرماتے ہیں۔

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ فِي الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ الخ۔ [۱]

(ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی آیاتِ قرآنیہ کپڑے کے ٹکڑوں۔ کھجور کی چھالوں اور شانوں کی ہڈی وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔)

تدوین کے بارے میں عمرؓ و زیدؓ کی مساعی

حضرت زیدؓ نے پوری کاوش کے ساتھ یہ اہم کام انجام دیا اور پورا قرآن لکھ لیا گیا۔ مگر ایک آیت جو حفاظ کو یاد تھی اس کے متعلق تحریر کے دو گواہ نہ ملتے تھے، حالانکہ التزام یہ کیا گیا تھا کہ ہر آیت کے بارے میں زبانی حفظ کے علاوہ تحریر کے بھی دو گواہ موجود ہوں۔ [۲]

وہ آیت حضرت ابو خزیمہؓ انصاری کے پاس تھی "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی گواہی دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی"۔ [۳] اس لئے حضرت زیدؓ نے دوسری گواہی کی ضرورت نہ سمجھی جبکہ حضرت زیدؓ کو وہ آیت خود بھی یاد تھی۔

صحابہؓ کے سینوں سے مدد لینے سے یہ مراد نہیں کہ حضرت زیدؓ نے قرآنِ حکیم کے بعض حصے حفاظ کی زبانی نقل کئے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آیات کے بارے میں تحریر کا ثبوت بھی مہیا کیا گیا اور حفاظ کے ذریعہ سے بھی تصدیق کرائی گئی۔ تاکہ علمِ سینہ و علمِ سفینہ کی باہمی مطابقت ہو۔

حضرت زیدؓ کے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ "جس شخص نے قرآن کا کوئی ٹکڑا براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہو وُہ اُسے زیدؓ کے پاس لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابیؓ قرآن کے اجزاء کاغذ، تختیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھا کرتے تھے اُس وقت تک کوئی تحریر قبول نہیں کی گئی جب تک دو گواہوں نے شہادت نہیں دی"۔ [۴]

---

[۱]: ایضاً   [۲]: فتح الباری ج ۹ - ص ۱۲

[۳]: بخاری باب جمع القرآن ص ۷۴۶   [۴]: فتح الباری ج ۹ - ص ۱۲

ابن ابی داؤد نے عروہؓ بن زبیر کی روایت نقل کی ہے کہ میرے والد نے بتایا کہ ابوبکر صدیقؓ نے عمرؓ فاروق اور زیدؓ بن ثابت کو فرمایا کہ تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ۔ جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت پر دو گواہ پیش کرے اُس کی کتابت کرو۔[۱] یعنی مصحف میں کسی تلاوت کی جانے والی آیت کو لکھنے کے واسطے یہ ضابطہ اور معیار مقرر کیا تاکہ ہر آیت پورے وثوق اور اعتبار کے ساتھ مُصحفِ قرآن میں لکھی جائے۔

سخاوی نے جمال القراء میں بتایا ہے کہ "دو گواہوں کا مطلب یہ تھا کہ وہ دو گواہ اس بات کی گواہی دینے والے ہوں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے حکم سے لکھی گئی تھی۔"[۲]

جمع و تدوین کی حقیقت

غرض یہ جمع و تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی جمع و تدوین کے بعد قرآن کریم کی دوسری مرتبہ جمع و تدوین تھی جسے حضرت زیدؓ بن ثابت نے کمال محنت اور احتیاط سے انجام دیا جو صدیقِ اکبرؓ نے اُن کے ذمے لگایا تھا۔

اس جمع و تدوین کی حقیقت یہ تھی کہ آیاتِ قرآنیہ جو متفرق طور پر کھجور کی چھالوں اور ہڈیوں یا کپڑوں کے ٹکڑوں وغیرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کے حکم سے آپؐ کے رُوبرو کتابت کر لی گئی تھیں اُن کو بالترتیب ایک مجموعہ میں مرتب کر لیا جائے اُس ترتیب کے ساتھ جس پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے اور صحابہؓ کو پڑھاتے اور پھر قاری اور حافظِ قرآن اُس کے مطابق اُس کو پڑھتے تھے۔ جب یہ عظیم الشان کام شروع کیا گیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ پاک کو ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے۔ ایسے لوگ ابھی سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے جنہوں نے سارا قرآن مجید آپؐ کی زبانِ مبارک سے سُنا تھا ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جنہوں نے قرآن پڑھا ہی حضورؐ سے تھا۔ پھر مختلف صحابہؓ کے پاس لکھی ہوئی وحی کے جو حصے موجود تھے اُن کی لاتعداد نقلیں دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھیں اس لئے اس بات کا سرے سے کوئی امکان نہ تھا کہ حضرت زیدؓ کے تیار کردہ مُصحف میں کوئی غلطی راہ پا جاتی یا وحیِ الٰہی کا کوئی حصہ اس میں شامل ہونے سے رہ جاتا۔ یہ ہے وہ بے مثال پایۂ صحت و سند جو قرآن کو حاصل ہے اور جو اُسے دُنیا کی مقدس کتابوں میں سب

---

[۱] : کتاب المصاحف لابن ابی داؤد سجستانی ص، ۵
[۲] : الاتقان جلد : ۱

سے اُونچا مقام دیتا ہے اِس ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت نے لارڈ ولیم میور جیسے متعصب شخص کو بھی یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ :

"ہمیں کوئی ایسی اطلاع موصول نہیں ہوئی جس سے معلوم ہو کہ قرآن مجید جمع کرنے والوں نے اُس کا کوئی ٹکڑا یا فقرہ یا لفظ چھوڑ دیا ہو یا یہ کہ کسی نے جمع شدہ نسخے سے اختلاف کیا ہو۔ اگر ایسی بات رُونما ہوتی، تو وُہ یقیناً حدیث کے اُن خزانوں میں موجود ہوتی۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی سے معمولی الفاظ اور افعال بھی محفوظ ہیں۔" [1]

مُصحفِ اُمّ

حضرت زیدؓ بن ثابت کا تیار کردہ نسخہ مُصحفِ اُمّ کے نام سے مشہور رہا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی تک اُن کے پاس رہا۔ اُن کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس چلا گیا۔ لیکن اُن کی شہادت کے بعد اُن کی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کے مکان میں موجود رہا۔ [2]

حضرت حفصہؓ کے پاس رکھنے کی وجہ

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ لہٰذا جب تک مستقل خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آجاتا اُس وقت تک کسی ذمّہ دار شخصیت کے پاس رہنا ضروری تھا۔ [3]

عہدِ صدّیقیؓ میں جمع قرآن کی غرض

عہدِ صدّیقیؓ میں جمعِ قرآن سے غرض یہ تھی کہ قرآن محفوظ ہو جائے اور کسی آیت یا لفظ کے ضائع ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

---

[1] : لائف آف محمدؐ۔ ولیم میور

[2] : بخاری باب جمع القرآن۔ ص : ۴۶، [3] : الاتقان، تفسیر خازن

قرآنی نسخوں کی کثرت

امام ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ خلیفۂ اوّل کے عہد میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن نہ ہوں"[۱]

عہدِ فاروقیؓ میں تعلیمِ قرآن کا انتظام

قرآن کی لازمی تعلیم

حضرت عمرؓ کا عہد تاریخِ اسلام میں زرّیں دور کہلاتا ہے آپ کے زمانے میں ہر شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی۔ قرآنی تعلیمات کا سلسلہ بھی بہت زیادہ وسعت اختیار کر گیا، آپ خود میلوں اور منڈیوں میں جا کر لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے۔ آپ نے توسیعی پروگرام کے تحت معلموں، اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، حالانکہ اس سے پہلے ثبوت نہیں ملتا۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے۔

"حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ دونوں اماموں، مؤذنوں اور قاضیوں کو تنخواہیں دیتے تھے"۔[۲]

آپ ہر جگہ تنخواہ دار قاری اور معلم مقرر کرتے تھے۔ اور لوگوں کو لازمی تعلیم دلاتے تھے۔ یہاں تک کہ بدّوؤں میں بھی قرآن کی تعلیم لازمی کر دی تھی، اور ابو سفیان نامی ایک شخص کو مقرر کیا تھا کہ وہ قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جسے قرآن کی کوئی آیت یاد نہ ہو۔ اُسے سزا دیں۔ کتاب الآغانی میں ہے۔

"حضرت عمرؓ نے قریش کے ایک آدمی ابوسفیان نامی کو اہلِ دِہ کی طرف روانہ کیا کہ وہ اُن سے قرآن پڑھنے کا مطالبہ کرے جس نے قرآن بالکل نہ پڑھا ہو، اُس کو سزا دے"۔[۳]

حضرت عمرؓ نے قرآنِ حکیم کی تعلیم پر لوگوں کے وظیفے بھی مقرر کئے اور اُمرائے لشکر کو لکھ بھیجا کہ جن کو قرآن یاد ہو، اُن کو میرے پاس بھیجو۔ تاکہ وظیفہ پانے والے معززین میں اُن کو شامل کروں اور تعلیمِ قرآن

---

[۱]: کتاب الفصل الملل والنحل جلد دوم۔ [۲]: تاریخ عمرؓ از ابن جوزی باب ۲۹ ص = ۱۰۶

[۳]: کتاب الآغانی جلد = ۱۷ اخبار زید الخیل۔

کے لئے اطراف میں اُن کو بھیجوں[۱]"

فوجیوں کو قرآن حفظ کرنے کی تاکید

فوجیوں میں قرآن مجید کا مطالعہ لازمی قرار دیا گیا تھا حاکموں اور گورنروں کو حکم تھا کہ وہ فوجیوں کو قرآن حفظ کرائیں صرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر میں تین سو حافظ تھے[۲] آپ نے ہر جگہ تاکیدی احکام بھیج دیئے تھے، کہ قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ صحتِ الفاظ اور اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔

شاہ ولی اللہؒ کی رائے

حضرت عمرؓ فاروق نے حفاظت واشاعتِ قرآن کے لئے جو کچھ کیا اُس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔

"امروز ہر کہ قرآن مے خواند از طوائفِ مسلمین، منتِ فاروقؓ در گردنِ اوست"۔

(آج مسلمانوں میں سے جو بھی قرآن پڑھتا ہے حضرت فاروقِ اعظمؓ کا احسان اُس کی گردن پر ہے)

دورِ عثمانیؓ میں جمعِ قرآن اور اشاعتِ قرآن

زبان کا مسئلہ اور مصحفِ عثمانی

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بروایت ابُو شامہ نقل کیا ہے کہ

"قرآنِ کریم پہلے لُغتِ قریش پر نازل کیا گیا تھا۔ اور پھر اُن قبائلِ عرب کی لغت پر، جو عرب کے فصیح و بلیغ لوگ تھے لیکن بعد میں اُن کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وُہ الفاظ اور اعراب میں اختلاف کے ساتھ اُن لغات پر بھی تلاوت کر لیا کریں، جن کا استعمال اُن میں جاری اور رواج پکڑ گیا ہے۔ اور اُن میں مشقت اور تکلیف کے خیال سے کسی کو بھی مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ دوسرے کی لُغت کی طرف منتقل ہوں"[۳]

---

۱ : کنز العمال جلد اوّل فضائل قرآن ص = ۲۱۷ - ۲ : ایضاً

۳ : فتح الباری ابن حجر جلد - ۹

حضرت اُبَی بن کعبؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے ملاقات کی تو فرمایا۔

"اے جبرئیلؑ! میں ایک ایسی اُمّت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو اُمّی ہے، جس میں بوڑھیاں اور بڑی عمر والے بوڑھے، بچے، بچیاں اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے کبھی کچھ نہ لکھا اور نہ پڑھا" مقصد یہ تھا کہ ایک لغت پر ان سب کو قرآن پڑھنا دشوار ہوگا۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ [1]

(قرآنِ مجید سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے تو آپ اُن میں سے جو آسان معلوم ہو، اُس پر پڑھ لیا کریں)

اس پر نبی کریمؐ نے بہت سی آیات متعدد لغات اور مختلف قرأتوں کے ساتھ تلاوت کرنے کی اجازت دے دی، جب اِس اختلافِ قرأت کی کیفیت کے ساتھ قرآنِ مجید مختلف علاقوں اور شہروں میں پہنچا تو یہ چیز باہمی اختلاف کا سبب بن گئی۔ اور حضرت حُذیفہ بن یمانؓ، اِس صورتِ حال اور اختلاف کو دیکھ کر گھبرا گئے، اور اُن کو اندیشہ ہوا، کہ کہیں آگے چل کر گروہ بندیاں اور تفرقہ کا سبب نہ بن جائے۔ اُنہوں نے آذربائیجان پر لشکر کشی کے وقت اِس اختلاف کو خاص طور پر محسوس کیا اور واپسی پر خلیفۂ ثالث حضرت عثمانِ غنیؓ کو اس کی اطلاع دے کر تدارکِ احوال کی طرف متوجہ کیا۔ اس واقعہ کو حضرت انسؓ نے یوں روایت کیا ہے۔

حضرت حُذیفہؓ کی رپورٹ اور حضرت عثمانؓ کا عمل

"حذیفہؓ حضرت عثمانِ غنیؓ کے پاس آئے وُہ فتح آرمینیا کے لئے شامیوں کے شانہ بشانہ لڑتے رہے تھے۔ اور آذربائیجان کی فتح کے لئے عراقیوں کے شانہ بشانہ وُہ شامیوں اور عراقیوں کے طرزِ قراءت میں اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے اور اُنہوں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا "امیر المؤمنین! لوگوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرنے سے روکئے" آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور فیصلہ کے مطابق حضرت حفصہؓ اُمّ المؤمنین کو پیغام بھیجا کہ اُن کے پاس کتاب اللہ کا جو نسخہ ہے وہ بھیج دیں تاکہ اُس کی نقلیں تیار کرانے کے بعد اصل نسخہ انہیں واپس کر دیں۔ حضرت حفصہؓ نے وہ نسخہ حضرت عثمانؓ کو بھیج دیا۔ اُنہوں نے زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیر، سعیدؓ بن العاص [2]

---

[1]: جامع ترمذی باب فضائل القرآن۔ [2]: فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶

اور عبدالرحمٰنؓ ابن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ اُس کی نقلیں تیار کریں۔ جب انہوں نے اصل نسخے سے مطلوبہ تعداد میں نقلیں تیار کر لیں تو حضرت عثمانؓ نے اصل نسخہ حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیا اور اُس کی ایک نقل ہر صوبے میں بھیج دی اور حکم دیا کہ اُس کے علاوہ قرآن کے جو نسخے یا اجزا موجود ہیں وہ جلا دیئے جائیں۔[1]

ابن ابی الدنیا ابو حاتم سجستانی سے یہ روایت کرتے ہیں کہ "سات نسخے نقل کرائے گئے اور ان بلاد میں اُن کو بھجوایا۔ مکہ مکرمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ اور ساتواں نسخہ مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا۔"[2]

مُستند نقلیں

حضرت عثمانؓ نے کتاب اللہ کے جو نسخے مختلف صوبوں میں بھجوائے وہ اُس مُستند نسخے کی ہو بہو نقل تھے جو حضرت زیدؓ بن ثابت نے عہدِ صدیقی میں تیار کیا تھا۔ اس بات کا سب سے روشن ثبوت یہ ہے کہ نقلیں تیار کرنے والوں میں حضرت زیدؓ بن ثابت بھی شامل تھے۔

قراتِ قُریش پر یکجا کرنا

کتابت میں قُریش کی زبان ہی کو قائم رکھا گیا کیونکہ قرآن مجید قُریش ہی کی لُغت پر نازل ہوا ہے اور اس لئے کہ یہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قرأت تھی۔ اِس کے علاوہ دیگر قرأتوں کو بالکل ترک کر دیا گیا تاکہ کسی قسم کی تحریف یا اختلاف کا اندیشہ نہ رہے اور جن علاقوں کے لوگ عربی زُبان سے واقف نہیں ہیں۔ وہ بھی اِس قرأت ہی کے مطابق پڑھیں۔ اِس معاملے میں اُنہوں نے اِس درجہ احتیاط سے کام لیا کہ جن لوگوں کے پاس غیر مرتب نسخے پائے گئے وہ اُن سے لے کر جلا دیئے گئے۔

غیر مُستند نُسخے جلانے کا اِقدام

قُرآن کے غیر مُستند نُسخے جلانے کے متعلق حضرت عثمانؓ نے جو قدم اُٹھایا وہ صحابہؓ کے صلاح و مشورے اور اُن کی تائید سے اُٹھایا گیا تھا۔ کتابُ اللہ کی صحت کو قیامت تک کے لئے قائم رکھنا ایک ایسا مقدس اور اہم فرض تھا جس کی

---

[1]: صحیح بخاری باب جمع القرآن۔ [2]: قرطبی ج۔۱، ص ۵۱۔

بجا آوری کے لئے غیر مستند نسخوں اور متفرق اجزاء کا تلف کرنا ایک ناگزیر ضرورت تھی اس معاملے پر سیدنا حضرت علیؓ نے ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا تھا۔

حضرت علیؓ کا اظہارِ خیال

" عثمانؓ کے متعلق اچھے کلمات کے سوا کچھ نہ کہو، اُنہوں نے قرآن کے نجی نسخوں کو ختم کرنے کا فیصلہ ہمارے مشورے سے کیا تھا۔ اُنہوں نے ہم سے کہا تھا کہ قرأت کے اختلاف کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ میری قرأت تم سے بہتر ہے میرا خیال ہے کہ اس قسم کا قول کفر کے برابر ہو سکتا ہے ہم نے اُن سے پوچھا کہ آپ اس معاملے میں کیا قدم اُٹھانا چاہتے ہیں اُنہوں نے کہا "میرے خیال میں تمام لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کرنا ضروری ہے ہم سب نے اس تجویز کی تائید کی"[1]

حضرت علیؓ کی دوسری رائے

حضرت علیؓ نے مزید فرمایا :-

" خدا کی قسم اُنہوں نے اِن اوراق کو ہم سب اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور مجمعِ عام میں جلایا تھا۔ اور اگر اُس وقت میں خلیفہ ہوتا تو یقیناً اُن مصاحف میں وہی طریقہ اختیار کرتا جو عثمانؓ نے کیا"[2] کیونکہ وہ اوراق جو جلائے گئے تھے، وہ صرف ایسی چند سورتوں کے مجموعے تھے جو بعض حضرات نے صرف اپنی تلاوت اور معمولات اور تہجد کے لئے غیر مرتب طور پر لکھ رکھے تھے"[3]

بہر کیف مقصد ایک ہی تھا اُس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے دور دراز علاقوں شام، مصر، آرمینیا میں قرآن کی قرأت میں بہت اختلاف تھا جس کو دُور کرنا بہت ضروری تھا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں قرآن کریم کی جمع و تدوین کا یہ تیسرا دور تھا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "عثمانؓ کا یہ جمع ۲۵ھ

---

[1] : فتح الباری ج ۹ - ص ۱۸۰

[2] : کتاب المصاحف لابن ابی داؤد سلیمان سجستانی مطبع خیریہ مصر ۱۹۳۶ء ص ۲۲

[3] : الاتقان

کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں تھا۔ اور یہی وہ وقت تھا جب کہ آرمینیا فتح ہوا۔[1]

جامع قرآن

عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت عثمانؓ جامع قرآن تھے۔ یہ صرف اُن معنوں میں صحیح ہے کہ انہوں نے قرأت کا ایک واحد طریقہ رائج کر کے اور سورتوں کو ترتیب دے کر تحریف کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اور آج سے تقریباً پونے چودہ سو سال کے بعد ہم قرآن کو بالکل اُسی صورت میں پاتے ہیں جس صورت میں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں جمع اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں شائع ہوا تھا۔

قرآن کی صداقت کا ثبوت

آج جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ ٹھیک ٹھیک اُسی مصحفِ صدیقیؓ کے مطابق ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے سرکاری اہتمام سے تمام علاقوں میں بھجوائی تھیں، اِس وقت بھی دُنیا میں متعدد مقامات پر قرآن کے وہ مستند نسخے موجود ہیں۔ کسی کو اگر قرآن کی محفوظیت میں ذرہ برابر بھی شک ہو تو وہ اپنا اطمینان اِس طرح کر سکتا ہے کہ مغربی افریقہ میں کسی کتاب فروش سے قرآن کا ایک نسخہ خریدے۔ اور جاوا میں کسی حافظ سے زبانی قرآن سن کر اِس کا مقابلہ کرے۔ اور پھر دُنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں میں حضرت عثمانؓ کے وقت سے لے کر آج تک مختلف صدیوں کے لکھے ہوئے جو مصاحف رکھے ہیں اُن سے اُن کا تقابل کر لے۔ اگر کسی حرف یا شوشے کا فرق وہ پائے تو اُس کا فرض ہے کہ دُنیا کو اِس سب سے بڑے تاریخی انکشاف سے ضرور مطلع کرے، کوئی شکی مزاج قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں شک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے یہ بلا کسی کمی بیشی کے ٹھیک وہی قرآن ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہ تو ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ انسانی تاریخ میں کوئی دوسری چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اِس قدر قطعی الثبوت ہو۔ اگر کوئی شخص اِس کی صحت میں شک کرتا ہے تو وہ پھر اِس میں بھی شک کر سکتا ہے کہ "رومن امپائر" نامی کوئی سلطنت دُنیا میں رہ چکی ہے، اور کبھی "مغل" ہندوستان پر حکومت کر چکے ہیں اور "نپولین" نام کا کوئی شخص بھی دُنیا میں پایا گیا ہے۔ ایسے ایسے تاریخی حقائق پر شکوک کا اظہار کرنا علم کا نہیں جہالت کا ثبوت ہے۔

---

[1]: فتح الباری ابن حجر ص ۱۸، ج ۹۔

قرآن کے متبرک اور اہم نسخے

حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کی جو نقلیں تیار کرائی تھیں اُن میں سے ایک مدینہ منورہ میں رکھ کر باقی جلدیں مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھیجی گئی تھیں۔ علامہ شبلیؒ نے اِن نقلوں کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"مدینہ منورہ میں جو قرآن رکھا گیا تھا۔ ۷۳۵ھ تک اُس کا پتہ چلتا ہے۔ دمشق والے نسخہ کو ابوالقاسم سبتی نے ۶۵۷ھ میں جامع دمشق کے مقصورہ میں دیکھا۔ عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے اُسے ۷۳۵ھ میں دیکھا۔ سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ میں جامع مسجد میں جو آگ لگی تھی اُس میں یہ نسخہ جل گیا۔ مکہ معظمہ میں جو نسخہ تھا وہ بھی ۷۳۵ھ تک موجود تھا۔ بصرہ اور کوفہ والے نسخے کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس زمانہ میں قرطبہ پہنچا اور وہاں سے عبدالمؤمن اسے بڑی شان و شکوہ کے ساتھ اپنے دارالسلطنت میں لایا۔ ۷۴۵ھ میں وہ معتضد کے قبضہ میں آگیا۔ تلمسان کی فتح کے بعد یہ ابوالحسن کے قبضہ میں آگیا۔

ابوالحسن کی وفات کے بعد یہ تگیز میں پہنچا۔ وہاں سے کسی طرح ۹۲۵ھ میں ایک تاجر اُسے لے آیا اور شہر فاس پہنچایا۔ جہاں مدت تک یہ خزانہ شاہی میں محفوظ رہا۔ اِس کے متعلق دوسرا بیان یہ ہے کہ وہ جلد جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے یہ ایک مدت تک بنی اُمیہ کے پاس رہی۔ پھر دمشق سے منتقل ہو کر اُندلس پہنچی۔ اُندلس میں اِسلامی سلطنت کے زوال کے بعد مراکش کے دارالخلافہ فاس میں منتقل ہوئی۔ علامہ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق یہ جلد آٹھویں صدی ہجری تک جامع بصرہ میں موجود تھی اور اُس پر حضرت عثمانؓ کے خون کے دھبے نمایاں تھے یہی نسخہ ۱۹۰۴ء میں بخارا سے رُوس کے قدیم پایۂ تخت ماسکو میں پہنچا۔ وہاں سے پھر بخارا لایا گیا اور جب ۱۹۲۳ء میں بالشویکوں نے ترکستان پر دوبارہ تسلط جمایا تو وہ اُس نسخہ کو پھر ماسکو لے گئے جہاں سے اُسے واپس لانے کی سعی کی جا رہی ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نسخہ امیر تیمور کے زمانہ میں ابوبکر الشاشی کی طرف سے حضرت شیخ عبداللہ کے مرقد پر رکھ دیا گیا تھا جہاں سے بالشویکوں کے ہاتھ آیا۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں جہاں قاضی فاضل وزیر اعظم سلطان صلاح الدین کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ اِس کے کتب خانہ میں مصحفِ عثمانیؓ کا نسخہ موجود تھا جسے قاضی فاضل نے بیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔"[1]

---

[1] : تہذیب الاخلاق بابت صفر ۱۳۲۹ھ مضمون علامہ شبلیؒ علی گڑھ، بھارت۔

عہدِ عثمانیؓ کا نادر تحفہ

علامہ شبلیؒ نے جس نُسخے کا ذکر ۱۳۲۹ھ میں کیا تھا کہ وہ ماسکو میں موجود ہے اُن کے متعلق ۹ فروری ۱۹۹۱ء کو رُوسی سفیر متعینہ پاکستان ڈاکٹر ایم ایس گپتا نے اپنے بیان میں لاہور میں بتایا تھا کہ تاشقند میں کلام پاک کا وہ نُسخہ موجود ہے، جو اپنی شہادت کے وقت حضرت عثمان غنیؓ تلاوت فرما رہے تھے سفیرِ رُوس نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ وہ عنقریب پاکستان کو اِس تاریخی نسخہ کی ایک فوٹو کاپی مہیا کر دیں گے۔

حضرت علیؓ کا نُسخۂ قرآن

قُرآن کریم کی ایک ایک نقل حضرت علیؓ اور حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حُذیفہ نے بھی اپنے طور پر تیار کی تھی حضرت علیؓ کے قُرآنِ کریم کا نُسخہ "مشہدِ علیؓ" میں محفوظ ہے اور اُس پر آپ کے دستخط بھی ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ قُرآن کے چند اوراق حضرت علیؓ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے لاہور کی شاہی مسجد میں بھی موجود ہیں۔

قُرآن مجید کا اُنیس ۱۹ زبانوں میں ترجمہ

مکہ معظمہ:- ۱۰ رمئی (مشرق رپورٹ) مسلم ورلڈ لیگ نے قُرآن کریم کا اُنیس ۱۹ زُبانوں میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جن زبانوں میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اُن میں جاپان، افریقی ملکوں جنوب مشرقی ایشیائی اور یورپی زبانیں شامل ہیں۔ مسلم ورلڈ لیگ نے اپنے اجلاس میں قُرآنِ کریم سمعی و بصری ذرائع اور خط و کتابت کے ذریعے پڑھانے کی منظوری بھی دی اور یہ فیصلہ بھی کیا کہ نائیجیریا میں ایک مرکز کھولا جائے۔ لیگ کی طرف سے موریطانیہ میں ایک سنٹر پہلے ہی قائم کیا جا چکا ہے اور فرانس اور انگریزی زبانوں میں قُرآنِ مجید کے تراجم کی تقسیم بھی شروع کی جا چکی ہے [1]

قرآنِ پاک کا گورمکھی میں ترجمہ

نئی دہلی ۲۵ رمئی (اے آئی آر) مالیر کوٹلہ میں آج قُرآن پاک کے گورمکھی نسخہ کا اجرا کیا گیا۔ ریڈیو کے مطابق بھارت

---

[1]: روزنامہ مشرق لاہور ۱۱ رمئی ۱۹۸۱ء، ۶ ررجب ۱۴۰۱ھ

میں بارہ زبانوں میں قرآن پاک کے نسخے پہلے ہی موجود ہیں۔ [۱]

یوگنڈا کی مقامی زبان میں قرآنِ پاک کا ترجمہ

اسلام آباد ۲۰ جون (پ ر) کمپالا سے آمدہ اطلاعات کے مطابق پاکستان سوسائٹی یوگنڈا نے یوگنڈا کی مقامی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ یوگنڈا کے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے باعث قرآنِ مجید کے اس ترجمے کی فوری اشاعت درکار ہے۔ سوسائٹی کی اطلاع کے مطابق یوگنڈا کی مقامی زبان رومن رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور پاکستانی پریس اُسے بآسانی شائع کر سکتے ہیں۔ [۲]

چینی اور روسی زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ

جدّہ ۱۳ جولائی :- چینی زبان میں قرآنِ مجید کے ترجمے کا نسخہ جلد ہی مسلم ورلڈ لیگ کو پیش کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ چینی زبان میں قرآن کی مطلوبہ کاپیاں چھپوا کر چینی مسلمانوں میں تقسیم کر سکے۔ اس بات کا انکشاف لیگ کے سیکرٹری جنرل محمد علی الحرکان نے کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ لیگ سوڈان میں قرآن پاک کی دو لاکھ کاپیاں تقسیم کرے گی۔

انہوں نے انکشاف کیا کہ لیگ انڈونیشیا میں قرآنِ مجید کے نسخے بھجوانے کے علاوہ روسی زبان میں بھی قرآنِ مجید کی طباعت کروائے گی۔ [۳]

اِن باتوں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے کلامِ پاک کی حفاظت کے لئے کس قدر ذوق و شوق کا اظہار کیا ہے۔

---

[۱] : روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۵ مئی ۱۹۸۱ء آخری صفحہ کالم ۲ پر

[۲] : روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۸ جون ۱۹۸۱ء ص = ۲

[۳] : ۱۴ جولائی ۱۹۸۱ء نوائے وقت راولپنڈی۔

پانچواں باب

قرآن کا رسم الخط اور اس کا ارتقاء

حضورؐ کے زمانہ میں رسم الخط

قرآن مجید کا رسم الخط عربی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں خطِ حمیری یعنی خطِ انباری رائج تھا۔ جسے اہلِ مکہ نے عراق کے دو مشہور مقامات حیرہ اور انبار کے باشندوں سے سیکھا تھا۔ یہی خط بعد میں کوفی کہلایا۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت یہی خط کوفی رائج تھا۔ کیونکہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں کے حکمرانوں کو جو تبلیغی خطوط لکھے تھے۔ اُن میں سے جن چھ خطوں کے عکس اب دستیاب ہوئے ہیں اُن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خطوط صریحاً خطِ کوفی میں لکھے ہوئے تھے۔ اِسی لئے غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی کتابت بھی اِسی خط میں کرائی ہو گی۔ اُس وقت ممکن ہے کہ خطِ عربی، حجازی یا حمیری بولا جاتا ہو گا۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے لکھے ہوئے مصاحف کے جو عکس ملتے ہیں، وہ بھی صاف خطِ کوفی میں ہیں، البتہ حروف واشکال، ادغام و اظہار میں تھوڑا سا فرق ہے۔

رسم الخط عہدِ صحابہؓ میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں قرآن کریم کے منتشر اوراق کو ایک جلد میں یکجا کیا گیا۔ یہ اُسی رائج الوقت خط میں لکھا گیا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت لکھا گیا تھا۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے کے لکھے ہوئے اوراق منتشر تھے اور انہیں ایک مجلد میں کرنے کا اہتمام اس لئے بھی نہ کیا گیا کہ اُن کے ضائع ہونے یا اُن کے رسم الخط کے تبدیل ہو جانے کا کسی کو "خدشہ" نہ تھا۔ یہ وہی رسم الخط تھا، جسے بعد میں حضرت

عثمانؓ نے اختیار کیا۔

حضرت عمرؓ کے دور میں اِس سلسلے میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ قرآن کی تعلیم و تبلیغ کا خاص اہتمام کیا گیا۔

مُصحفِ امام

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں قرآنِ مجید کو لغتِ قریش کے مطابق لکھا گیا اور اُس کی نقول تمام مملکت میں ارسال کر دی گئیں۔ قرآن کا یہ معیاری نسخہ جو حضرت عثمانؓ کے حکم سے بقول ابن اثیر ۳۰ھ میں تیار ہوا "مُصحفِ امام" کہلاتا ہے[۱]۔ یہ مصحف خطِ کوفی میں تھا جیسا کہ اِس کے عکسی نمونہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن پہ اعراب

"مُصحفِ امام" اور حضرت عثمانؓ کے عہد کے دوسرے مصاحف بلانقطہ تھے۔ اِس لیے بعد میں بھی مصاحف پہ نقطے اعراب اور دوسری علامات و نشانات لگانا بعض اصحاب کے نزدیک بدعت خیال کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں ہے کہ وہ مصاحف پہ نقطے لگانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ یہی خیال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، قتادہؒ، حسن بصریؒ، اور ابن سیرینؒ کا تھا۔ بعض لوگ اِس کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو حروف کے لئے نور ہیں۔ بعض حضرات کم پڑھے لوگوں اور بچوں کے لئے تو اعراب نقاط اور علامات والے مصاحف جائز سمجھتے تھے۔ لیکن بالغوں اور دوسرے اہلِ عرب کے لئے اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے[۲]۔

اعراب لگانے کا رواج

قرآن میں نقطے اور اعراب و علامات لگانے کا رواج حضرت عثمانؓ کے بعد ہوا۔ اِس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسلامی ریاست بہت وُسعت اختیار کر گئی تھی۔ مختلف ممالک اور اقوام کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے نیز فتوحات

[۱]: ابن اثیر

[۲]: کتاب المصاحف لابن ابی داؤد ص = ۱۴۱ مطبع خیریۃ مصر ۱۹۳۶ء

اور مالِ غنیمت میں کثرت اور مال و دولت کی فراوانی سے لوگوں کے معیارِ زندگی پہ اثر پڑا۔ سامانِ تعیش نے اپنا رنگ دکھایا۔ اور دوسری طرف عرب کے مسلمانوں کے ساتھ عجم کی نئی نئی اقوام خلط ملط ہوگئیں۔ جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ اور وہ صحیح طریقے سے الفاظ و حروف کا تلفظ بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ خود عرب میں بھی لب و لہجہ کا اختلاف پایا جاتا تھا۔

اِس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ مصحف پہ نُقطے اور اعراب وغیرہ لگا دیئے جائیں تاکہ لوگ قرآنِ پاک صحیح طریق سے پڑھ سکیں اور زُبانوں لہجوں کے اختلاف کے باوجود وحدت قائم رہے۔

اعراب اور نقطے وغیرہ لگانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اُس وقت عرب میں فنِ کتابت کا آغاز ہوئے کافی عرصہ گذر چکا تھا۔ اور لوگ اس قابل ہو گئے تھے کہ اُس فن کو مزید ترقی دیں۔ کتابت میں جدّت پیدا کریں اور نئے نئے طریقوں سے اُس میں حُسن اور نکھار پیدا کریں۔ اُن کی اِس کوشش سے خط میں پختگی اور حُسن کے علاوہ حروف و الفاظ کی شکلیں بھی متعین ہوگئیں۔ اور وہ مشکلات جو محض رسم الخط کی وجہ سے پیدا ہو جاتی تھیں، مفقود ہو گئیں۔

نقاط اور اعراب کی ابتداء

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ صحابہؓ ہی تھے جنہوں نے مصاحف میں نُقطوں کا اضافہ کیا۔ البتہ نقطے لگانے میں کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی باقاعدہ کسی نظام کی تشکیل ہوئی۔ جس کے تحت الفاظِ قرآنی پر نُقطے لگائے جاتے۔ صحابہؓ کے بعد تابعین نے باقاعدہ طور پہ نقاط اور اعراب لگانے کے اُصول و قواعد وضع کئے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ابوالاسود دُؤلی نے حرکات کے عوض نقاط کی ایجاد کی۔

رسم الخط عہدِ بنی اُمیہ میں

بعض لوگ یحییٰ بن النعیمر کا نام لیتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ پہلا شخص نصر بن عاصم تھا۔ اُن لوگوں نے جو نُقطے لگائے وہ حروف کے نُقطے نہیں تھے۔ بلکہ وہ اعراب اور حرکات و سکنات ظاہر کرتے تھے۔ رسم الخط کی تزئین و تحسین کے لئے یہ سب سے پہلا قدم تھا۔

نقطوں کی اِس ایجاد کے باوجود رسم الخط میں ہم شکل حروف کی پہچان اور اُن میں امتیاز مشکل تھا۔کیونکہ ہر کوئی صحیح تلفظ اور حروف کی ادائیگی میں ماہر نہیں تھا۔ اور نہ ہی الفاظ کو ملانے اور جوڑنے کے لئے کوئی خاص قاعدہ اور قانون تھا۔ سطر کے شروع ہونے کا بھی پتہ نہیں چلتا تھا اور نہ ہی ختم ہونے کا اندازہ ہوتا تھا۔ جملوں کے درمیان وقف اور سکون جیسی دوسری علامتیں بھی معلوم نہ تھیں۔ اِسی لئے دوسرے مرحلہ میں رسم الخط کی اِن مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ رسم الخط کی اس مشکل کو ابوالاسود دؤلی المتوفیٰ ۶۹ھ نے سب سے پہلے محسوس کیا اور اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کر دی۔ یہ اُن دنوں حضرت علیؓ کے حکم سے علم نحو کے قواعد ترتیب دینے میں لگے ہوئے تھے۔

کوفہ اور بصرہ میں متعدد صحابہ آباد ہو گئے تھے جن کی وجہ سے وہاں تعلیماتِ قرآنی کا بہت چرچا ہو گیا تھا اُسی بصرہ میں جب علمِ نحو کی تدوین ہوئی تو لوگ صرف و نحو کی الجھنوں میں پھنس گئے اور قرآن کی صحیح تعلیم کی طرف سے غافل ہو گئے یہ زمانہ حجاج بن یوسف المتوفیٰ ۹۵ھ کا تھا۔ جو اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے تاریخِ اسلام میں خاص شہرت رکھتا تھا اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے کوفہ و بصرہ کا گورنر تھا۔ عجیب امر یہ ہے کہ یہ شخص انتہائی سنگدل اور ظالم ہونے کے باوجود قرآنِ کریم سے والہانہ محبت رکھتا تھا اُس نے عجمیوں کی دِقت اور دشواری کو محسوس کیا۔

اِسی دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آگیا کہ حجاج بن یوسف کے سامنے کسی شخص نے قرآن مجید کی آیت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ ایک بستی میں گئے۔ "فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا" (الکہف) (تو انہوں نے اُن کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا) لیکن اُس شخص نے فَاَبَوْا کی بجائے فَاَتَوْا پڑھا جس کا مطلب یہ ہو گیا (کہ وہ اُن کی مہمانی کے لئے آئے) اس غلط تاویل پر حجاج بن یوسف تلملا اُٹھا اور اُس نے فوراً نقطے اور اعراب لگانے کا حکم دیا۔ تاکہ آئندہ اِس قسم کے مغالطے کا احتمال باقی نہ رہے۔

چنانچہ حجاج بن یوسف نے ۶۵ھ میں یحییٰ ابن النعمیر اور نصر بن عاصم کو بلایا۔ انہوں نے حجاج کی منشا کے مطابق ایک تو باقاعدہ نقطے وضع کئے جن کی مدد سے ہم شکل حروف میں امتیاز قائم ہو گیا اور اشتباہ دور ہو گیا۔ اور ساتھ ہی حروف کے اصل نقاط اور پہلے کے اعراب کے قائم مقام نقاط میں فرق اس طرح قائم کیا۔ کہ حروف اصلیہ پہ نقطے سیاہ رکھے اور حرکات و سکنات اور اعراب کے لئے قرمزی یا سُرخ رنگ کے نقطے لگائے۔

رسم الخط کی اس اصلاح سے الفاظ کا تلفظ اور ہجے آسان ہو گئے۔ قراءتِ قرآن صحیح ہونے لگی اور متشابہ الفاظ و حروف کے درمیان پہلے جو پیچیدگی واقع ہو جاتی تھی وہ رفع ہو گئی۔ اور اعراب و نقاط لگانے کے جو اصول و قواعد بن گئے اُن کی وجہ سے آئندہ کام میں آسانی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ حجاج نے قرآن مجید میں نقطے لگوانے کے بعد قرآن کی بہت سی نقلیں تیار کروائیں اور انہیں مختلف ممالک میں بھجوا دیا۔

قرآن سے حجاج کی محبت کا یہ عالم تھا کہ اُس کے انتقال پر اُس کے پاس سے چند سکوں اور اسلحہ کے علاوہ صرف قرآن مجید کا ایک نسخہ نکلا جسے وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا[1]

ایک اور روایت ہے کہ حجاج نے حرفوں اور نقطوں کے ذریعہ اعراب کو ظاہر کر کے قرآن لکھوانا شروع کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس طریقے میں بہت سے نقائص تھے اس لئے خلیل بن احمد نحوی المتوفی ۱۷۰ھ نے نقطوں کے بجائے موجودہ زیر، زبر، پیش کی علامات ایجاد کیں۔

عبد الملک بن مروان اور اس کے جانشین ولید بن عبد الملک نے مصاحف کی کتابت کے لئے خالد بن ابی ہیاج کو مقرر کیا جو خوش نویسی میں مشہور تھا۔ اور جس نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب میں خطاطی اور نقاشی کی تھی۔

رسم الخط عہدِ بنی عباس میں

بنو عباس کے زمانے میں مشہور لغوی امام خلیل بن احمد نے رسم الخط کو زیادہ سے زیادہ عام فہم آسان اور حسین بنانے کے لئے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اُس نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں۔ جس کے بعد اعراب کے لئے قرمزی رنگ کے نقطوں کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ لفظوں کی صحیح اور حسین شکل متعین کی اور کتابت کے اصول و قواعد کو منضبط کیا۔ خلیل کی اس اصلاح کے بعد رسم الخط اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ لوگوں میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور رسم الخط کو حسین سے حسین تر بنانے کی تحریک شروع ہو گئی۔

ابنِ مقلہ کا کارنامہ

خط کی تاریخ میں "ابن مقلہ" سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے رسم الخط میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ خطوط

---

[1] : تاریخ ادبیات عرب مصنفہ نکلسن ص - ۲۰۳

کو نیا لباس عطا کیا اور اُس کو تمام و کمال کی آخری منزل تک پہنچا دیا۔ اس کا شُہرہ تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں بلند ہوا۔ یہ بڑا فاضل ادیب اور اپنے عہد کا بڑا باکمال خطّاط تھا۔ اس فن میں اس کا کوئی مدِمقابل نہ تھا۔

چھے خط

ابنِ مُقلہ نے قدیم اور مروّج خطوط کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چھ خط ایجاد کیے۔ جن میں سے نسخ خاص ہے۔ اُن میں سے ہر خط کا دار و مدار "سطح اور دور" پر رکھا۔ اور پہلی مرتبہ خطوط کے اُصول و قواعد اور حروف کے دائرے مقرر کیے۔ تاکہ ہر خط میں امتیاز اور خفی اور جلی قلم میں یکسانی برقرار رہے۔

خطِ نسخ

یہ خط ۳۱۰ھ میں ایجاد کیا گیا۔ اور قرآنِ مجید لکھنے کے لیے مخصوص رہا۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک قرآنِ مجید کا رسم الخط کوفی تھا۔ اور عام مستعمل تھا۔ لیکن پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اس کی جگہ نسخ نے لے لی۔ اور خطِ کوفی آہستہ آہستہ متروک ہوتا گیا۔

خطِ نسخ دوسرے خطوط کے مقابلے میں سادہ، واضح اور آسان ہے۔ اس لیے بہت جلد رواج پا گیا۔ ہر شخص نے اس کو سیکھا اور استعمال کیا۔ اس کی ایجاد کے بعد تمام پچھلے خطوط منسوخ ہو گئے۔ یہ خط اتنا حسین، دیدہ زیب مکمل اور آسان تھا کہ درحقیقت مصاحف کی شان دوبالا ہو گئی اور اس میں کتابت کے بعد اس کی خوبصورتی پوری طرح ظاہر ہوئی۔ مزید برآں یہ خط خود کفیل اور جامع تھا کہ اس میں نقاط، حرکات، علامات وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ اس نے قرآن کی قرأت کو بہت آسان اور درست کر دیا۔ اور اس سے وہ تمام تقاضے پورے ہو گئے جو قرآن کی کتابت میں محسوس کیے جاتے تھے۔ یہ خط آج تک اپنی اسی شان سے مروّج ہے۔

چھٹا باب

قرآن اموی دور میں

خلافتِ بنی اُمیہ میں مطالعہ قرآن کو بہت وُسعت حاصل ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ نے بہت سی اصلاحات کیں اُسے قرآنِ مجید سے عشق تھا۔ اُس نے اپنے سکّوں پہ قرآن کی آیات کندہ کرائیں عربی خط کے تمام نقائص دور کرلئے اور قرآن کے مطالعہ و تفسیر کو آسان صورت دینے کی کوشش برابر کرتا رہا۔

عبدالملک کے بیٹے ولید المتوفّی ۹۶ھ کے عہد میں تعمیرات اور عمارات کا شوق اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ جہاں کہیں چار آدمی اکٹھے ہوتے یا آپس میں ملتے تو عمارات ہی کا ذکر کرتے اُس کا زمانہ تاریخ میں تعمیرات کے شوق سے مشہور رہے۔ لیکن اِس شغف اور توجہ کے باوجود اُس کی یہ حالت تھی۔ کہ وُہ لوگوں کو قرآن حفظ کرنے کی برابر ترغیب دیتا رہتا تھا۔ جو لوگ حفظ نہیں کرتے تھے انہیں باضابطہ سزا دیتا تھا۔ [۱]

حُفّاظ کو وہ پُوری فیاضی کے ساتھ وظائف دیتا اور اُن سے بہت خوش ہوتا تھا۔ اِس ضمن میں ولید گویا فاروقِ اعظمؓ کا پُورا پیرو کار بنا رہا اور تعلیمِ قرآنی کو وُسعت دینے میں اُس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے قبضہ میں جتنے ممالک دیئے تھے۔ اُس سے پہلے کسی فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئے تھے۔

چین کی سرحد سے لے کر مراکش تک تمام ممالک اُس کے قبضہ میں تھے۔ فتوحاتِ اسلام کا ایک سیلاب تھا جو اُس زمانہ میں اُمڈا ہوا تھا اور مسلمان ہر طرف مجاہدانہ جوش و جذبہ سے لبریز ملک پہ ملک فتح کرتے بڑھتے چلے جارہے تھے ظاہر ہے اِتنے اقتدار و شکوہ کے مُسلم فرمانروا کی کوششوں نے کیا کچھ نہ کر دیا ہوگا۔ اور قرآنی تعلیمات کا سلسلہ کہاں سے کہاں تک نہ پہنچ گیا ہوگا۔ حالت یہ تھی کہ دُنیائے اسلام میں ہر طرف قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا قرآن کی تعلیم، قرآن کے مدارس اور کالج تھے۔ حافظوں کا کوئی شمار نہ رہا تھا ہر گھر میں قرآن موجود تھا اور ہر جگہ اور ہر ملک

---

[۱]: تاریخ ادبیات عرب مصنفہ نکلسن ص ۔ ۲۰۳ ۔

میں پورے ذوق و شوق اور انہماک سے پڑھا جا رہا تھا۔ گویا اُس دور میں ہر طرف قرآن کی حکومت تھی۔ ولید بن عبدالملک کے بعد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے ۹۹ھ میں اشاعتِ تعلیمِ قرآن کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور ہمہ تن اس طرف متوجہ ہو گئے۔ جس طرح ولید کے زمانہ میں ہر جگہ عمارات و تعمیرات کا ذکر رہتا تھا۔ اسی طرح اُن کے عہد میں رعایا میں ہر وقت اور ہر جگہ قرآن اور مذہب کے چرچے سننے جاتے تھے۔ انہوں نے تعلیمِ قرآنی کو وسعت دینے اور دین کی اشاعت کو اپنا وظیفہ اور جزوِ ایمان بنا لیا تھا۔ اُس عہد کی یہ برکت تھی کہ جب بھی کہیں دو شخص ملتے تھے، تو ایک دوسرے سے یہی پوچھتے تھے کہ تم نے کتنا قرآن حفظ کر لیا ہے؟ کب ختم کر لو گے؟ میں اتنا حفظ کر چکا ہوں۔ مہینے میں کتنے روزے رکھ لیتے ہو؟ رات کو کونسا وظیفہ پڑھتے ہو؟ اُس زمانہ میں عہدِ صحابہؓ کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ مؤرخین اُن کے عہد کو بھی خلافتِ راشدہ ہی میں شمار کرتے ہیں۔

عہدِ صحابہؓ اور بنی اُمیہ میں تعلیمِ قرآن کی ترقی کا راز

حقیقت یہ ہے کہ عہدِ خلفائے راشدین اور عہدِ بنی اُمیہ میں قرآن اور تعلیماتِ قرآن کی جتنی اشاعت ہوئی شاید اور کسی دور میں اتنی زیادہ نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت تک تفسیر، حدیث، فقہ، علمِ بیان، بلاغت، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ہیئت و ریاضی وغیرہ علوم مسلمانوں میں پھیلنے نہیں پائے تھے۔ اُس وقت مذہب کا مدار اور مرکز صرف قرآن تھا۔ اُن کا محورِ نصاب اور مرکزِ نگاہ یہی قرآن تھا۔ اس پر خلفائے بنی اُمیہ کی مساعی سونے پہ سہاگہ تھی۔ بعد میں گو یہ اُلفت و محبت قرآن مجید کے ساتھ قائم رہی تاہم اس کے ساتھ دیگر علوم و فنون بھی پیدا ہو گئے جس سے مسلمانوں کی توجہ بٹ گئی۔

قرآن افریقہ میں

اُموی دور کے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں بربریوں کے ساتھ عربوں نے مقابلے کئے۔ تو اس زمانہ میں شمالی افریقہ میں قرآن کریم کی جلد بن پہنچی۔ بربریوں نے انہیں سر آنکھوں پہ رکھا اور مسلمانوں کی مادّی اور رُوحانی دونوں طرح کی حکومت تسلیم کر کے زیرِ نگیں ہو گئے۔ بربریوں نے صحیح معنوں میں اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا اور مسلمانوں کے محاسن

سے بہت متاثر ہوئے۔ عبدالملک اور اُس کے بیٹے ولید نے اُن کے سامنے قرآن پڑھنے اور اُس کی عبارت کے معانی و مطالب سمجھانے کے لئے عربی عالم اور فقیہ مقرّر کر دیئے۔ یہی وُہ لوگ تھے جن کی امداد سے ۹۲ھ مطابق ۷۱۱ء میں طارق بن زیاد ہسپانیہ کو فتح کرنے کے لئے نکلا تھا۔

یہیں سے قرآنِ کریم کی جلدیں سوڈان اور حبش اقوام میں پہنچیں اور دریائے نائیجریا کے بالائی جانب تمام بستیاں قرآنِ کریم کے نُور سے چمک اُٹھیں جس کے نتیجے میں افریقہ کے شہر علم و فضل کے مرکز بن گئے۔

شہر تمبکٹو جو ۴۵۹ھ مطابق ۱۰۵۹ء میں آباد ہوا اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ چودھویں صدی عیسوی میں اِس مُلک کی سیّاحت کے لئے آیا وُہ حبشی مسلمانوں کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

"وہ پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں" [۱]

قُرآن سوڈان کے انتہائی مغربی حصّہ میں ہوتا ہوا نوبہ پہنچا۔ سوڈان سے لے کر مصر اور نوبہ کی سرحد تک روشنی پھیلاتا چلا گیا۔ اور اِس طرح افریقہ کے مرکز تک پہنچ گیا۔

یہاں پہنچ کر اسلامی جدّوجہد کے وہ دونوں دریا باہم مل گئے جو تبلیغ کی صُورتوں میں ایک طرف مغرب سے اور دوسری طرف شمال مشرق سے بہنے شروع ہوئے تھے۔ افریقہ کے عین وسط میں پہنچ کر یہ دونوں دریا باہم بغلگیر ہوئے۔ [۲]

اِس کے بعد یہیں سے چشمے اُبل اُبل کر سارے افریقہ کو سیراب کرنے لگے۔

قُرآن اسپین میں

عبدالملک بن مروان کے بعد اُس کا بیٹا تخت نشین ہوا تو قُرآنِ کریم کی اشاعت افریقہ کے سبزہ زاروں اور ریگستانوں کو عبور کر کے یورپ تک پھیل گئی۔ موسیٰ بن نصیر افریقہ کی گورنری کے عہدہ پر فائز تھا جس نے تمام علاقے کو تہذیب و تمدّن سے آراستہ کیا۔ بڑی بڑی اہم اصلاحات کیں قُرآن کی تعلیم کو عام کیا، مدارس جاری کئے تجارت کو

[۱]: سفرنامہ ابن بطوطہ

[۲]: دعوت اسلام مُصنّفہ پروفیسر آرنلڈ ص = ۳۴۴

فروغ دیا، جابجا کارخانے قائم کئے اور اُس سرزمین پر خُوش حالی کا دور دورہ ہوا مسلمان حکمرانوں کے عدل و انصاف، حُسنِ اخلاق اور شرافت و انسانیت کے ڈنکے بجنے لگے جس سے افریقہ کے تمام باشندے خُوشی سے جُھوم اٹھے۔ ہسپانیہ اُس وقت گاتھ قوم کے مظالم و شدائد کی آماجگاہ بنا ہوا تھا بہت سے لوگ وہاں سے بھاگ کر افریقہ میں پناہ گزین ہوئے موسیٰ بن نصیر کو حکومتِ ہسپانیہ کے ظُلم و ستم کی حالت معلوم ہوئی تو اُسے بہت غصّہ آیا اور اُس نے خلیفہ سے اجازت لے کر طارق کو اس طرف روانہ کیا۔

۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں طارق بن زیاد نے ہسپانیہ کو فتح کر لیا اور وہاں اسلامی جھنڈا لہرانے لگا اُس نے سیڈونیہ۔ ملاغہ۔ کارموران۔ غرناطہ۔ قرطبہ۔ الجیرس اور استار گاہیں قُرآن کی جلدیں تقسیم کیں موسیٰ بن نصیر بھی خود قُرآن کو ہاتھ میں لئے ہوئے سیول میڈرڈ اور ٹولیڈو کو فتح کرتا ہوا فرانس پہنچ گیا۔ ہسپانیہ کے عیسائیوں کو قُرآنی تعلیمات نے مسحور کر دیا اور وہ اسلام قبول کرنے لگے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا وُہ بھی ذوق و شوق سے قُرآن کا مطالعہ کرنے لگے اُس کے بعد ہسپانیہ اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا اور ہر طرف علم و فضل کی روشنی میں پھیلنے لگی۔[1]

قُرآن اور مارٹن لُوتھر

مشہور یورپین مُصلح لوتھر بھی انہی لوگوں میں سے تھا جو اسلامی تعلیمات سے بے حد متأثر ہوئے۔ اُس وقت ہسپانیہ میں طلیطلہ اور قرطبہ علوم عربیہ کے مرکز خاص تھے وہ یہاں آیا تعلیمِ قُرآن نے اُس کے دل و دماغ روشن کر دیئے لوتھر اپنی صحیح الفطرتی سے بائیبل کی تعلیم سے تو بیزار ہو ہی چکا تھا۔ یہاں سے ایک قُرآنی نُسخہ لے کر جرمنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جرمنی میں قُرآن کا یہ سب سے پہلا ترجمہ تھا۔ جو پندرہویں صدی عیسوی میں شائع ہوا۔ لُوتھر کی اصلاحی کوششوں کی وجہ سے اُس پر کُفر کا فتویٰ لگا۔ اور مذہبِ عیسائیت سے بھی خارج کر دیا گیا۔ یہ اخراج اس طرح اشاعتِ قُرآن کا باعث ہوا جس طرح بعد میں ۱۶۱۰ء میں ہسپانیہ کے دس لاکھ مورسکی مسلمان باشندوں کا اخراج باعثِ رحمت ہوا تھا۔ یہ لوگ جلاوطن ہو کر قُرآنِ کریم ہاتھ میں لئے چاروں طرف پھیل گئے۔

اگرچہ قُرآنِ کریم کے نُسخے فرانس میں گیارہویں صدی عیسوی سے پہلے پہنچ گئے تھے اور بارہویں صدی کی ابتدا

---

[1]: رسالہ مولوی دہلی رمضان المبارک قرآن نمبر ۱۳۵۲ھ ص۔ ۱۳

ہی میں قرآنِ کریم کا لاطینی ترجمہ ہو چکا تھا اور اٹلی میں چودھویں صدی میں اور جرمنی میں پندرھویں صدی میں قرآنِ کریم پہنچ چکا تھا۔ لیکن یورپ کے مختلف ملکوں میں قرآنِ کریم کی طباعت اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے زیادہ تر ہسپانیہ کے اخراج شدہ مسلمانوں کے بعد ہی روشن ہوئے اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کی جلاوطنی یورپ میں قرآنِ کریم کی اشاعت کا سبب بنی [1]

قرآن مغلوں اور تاتاریوں میں

فتنۂ تاتار تاریخ کا ایک المناک باب ہے، وحشی تاتاریوں نے عباسی سطوت کا چراغ گل کیا، اور ۲۵ لاکھ کی آبادی میں سے ۱۸ لاکھ کو قتل کر ڈالا۔ مسجدوں میں شراب انڈیل دی اور اذان کی ممانعت کر دی۔ بخارا کی مساجد میں گھوڑے باندھے۔ قرآن پھاڑ ڈالے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آخر تیرھویں صدی عیسوی میں چنگیز خان کے بیٹے اوگتائی خان کے عہد میں حاکم ایران کرگز، تولائی خان کے پوتے انندا خان حاکم چین برکہ خان نے قرآن کریم کے آگے اپنے سرِ تفاخر جھکا دیے۔ بلکہ برکہ خان نہایت پُرجوش مبلغ ثابت ہوا [2]

جب مصر کے سلطان رکن الدین نے قاصدوں کو ایک خط دے کر برکہ خان کے پاس بھیجا تو قاصدوں نے واپس آ کر بیان کیا کہ

"برکہ خان کے امیروں اور شہزادوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک امام اور مؤذن مقرر ہے اور بچوں کو مکتب میں قرآنِ کریم کی تعلیم باقاعدہ دی جاتی ہے [3]"

خود ہلاکو کے بیٹے تکو دار نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا اور نکولس سے اپنا نام محمد خان رکھا، چنگیز خان

[1]: رسالہ مولوی دہلی رمضان المبارک قرآن نمبر ۱۳۵۲ھ ص: ۱۲، ہسٹری آف اسپانیہ اِن یورپ ڈی مورس ص ۲۸۹ ج ۲

[2]: طبقات الشافعیہ ج ۵ ص = ۱۱۴

[3]: دعوت اسلام آرنلڈ ص = ۲۳۹

[4]: مقریزی ص ۲۲۵ ج ۲ ص = ۲۲۲۔ [5]: ہیثوم ۱۱ موسیو۔ تو م ۲ ص = ۲۲۲

کے درمیان تے لڑکے چغتائی خان کے پڑپوتے براق خان نے ۶۶۸ھ بمطابق ۱۲۶۸ء میں مسلمان ہو کر اپنا نام غیاث الدین رکھا اور قرآن کی تعلیم کو عام کیا۔ اُس کے کام کو تغلق تیمور خان سلطانی کاشو نے اسلام قبول کرنے کے بعد جاری رکھا۔ اُس نے قرآن کی تعلیمات سے متأثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ ۷۱۳ھ بمطابق ۱۳۱۳ء سے ۷۲۶ھ بمطابق ۱۳۲۶ء تک کے عرصے میں ازبک خان نے پُورے زور شور سے قرآنی تعلیمات کو عام کیا اور پُورے وسطِ ایشیا میں قرآنِ کریم پڑھا جانے لگا اور تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی۔[1]

قرآن بلغاریہ میں

۳۰۹ھ بمطابق ۹۲۱ء میں کچھ مسلمان تاجر سمور اور پشمینہ وغیرہ کی تجارت کے لئے رُوسیوں کے پاس پہنچے اُن کی ہدایت سے بُلغاریہ میں مسلمانوں کی حامی تعداد پیدا ہو گئی۔ اُس سال ۹۲۱ء میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے رُوسیوں کے پاس سفیر بھیجے تاکہ جو رُوسی مسلمان ہو گئے ہیں اُن کے دینی استحکام اور مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اُس خلیفہ کے زمانے میں شاہ بُلغاریہ اپنے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد شاہ نے نماز اور شرائع اسلام کی تعلیم کے لئے خلیفہ سے ایک عالم بھیجنے کی اِستدعا کی۔ خلیفہ نے احمد بن فضلان کو اِس کام کے لئے مامور کیا۔ فاضل احمد بن فضلان اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں "ہم ۱۲ محرم ۳۱۰ھ بمطابق ۹۲۲ء کو اتوار کے دن پہنچے اور اُس زمانہ قیام میں اُس ملک کے بادشاہ اور اس کے خواص قرآنِ مجید سُننے کے لئے حاضر ہوئے۔"[2]

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ بُلغاریہ میں ۳۱۰ھ بمطابق ۹۲۲ء میں قرآن پہنچ چکا تھا اور اُس وقت اُس کی تعلیم بھی شروع ہو گئی تھی۔ ۱۹۳۱ء میں وہاں دس لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد تھے۔ ۱۲۴ اعلیٰ مدارس تھے جہاں مسلمان بچوں کو قرآنِ مجید کی تعلیم دی جاتی تھی اور ایک سو کے قریب مسجدیں بنی ہوئی تھیں۔[3]

---

[1] : پریچنگ آف اسلام آرنلڈ

[2] : سفرنامہ فاضل احمد بن فضلان

[3] : تاریخ اشاعتِ اسلام شیخ اسماعیل ص = ۵۲۲

قرآن کریم روس میں

رُوس کے مختلف حصّوں میں قرآنِ کریم مدّتوں پہلے پہنچا ہوگا۔ تاہم یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سنہ ۱۷۷۷ء میں وہاں سے قرآن کریم اپنی تفسیر سمیت چار جلدوں میں شائع کیا گیا۔

زیادہ تفصیل میں جانا تو مشکل ہے تاہم یہ ظاہر کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ قرآن نے اپنا اثر ضرور دکھایا ہے۔

ساتواں باب

قرآنی قصص بیان کرنیکی غرض و غایت

قرآنِ کریم تاریخ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ ہدایتِ ثقلین کے لئے معاد و معاش کا مکمل نظام اور دین و دنیا کی رشد و ہدایت کا قانون اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، اِس لئے اُس نے قوموں کے عروج و زوال اور ابتداء و انجام سے متعلق اِسی قدر حصّہ بیان کیا ہے، جو اِس وعظ و نصیحت کے مقصد کے لئے مناسب تھا۔ لیکن جب ایک تاریخِ عالم کا طالب علم اُن قوموں کی تاریخ کا مکمل مطالعہ کرتا یا صفحۂ ہستی پر اُن کے آثار و نشانات کو دیکھتا اور پڑھتا ہے تو اُس کو بے ساختہ یہ اقرار کرنا ہوتا ہے کہ "قرآن" نے اُن اقوام کے متعلق جو کچھ بھی کہا ہے وہ بالکل حقیقت اور اُن کی گذشتہ زندگی کی صحیح تصویر ہے۔

اِن میں بعض واقعات وہ بھی ہیں جو درحقیقت ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی قرآن نے اُن کو صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ پند و نصائح کی جس قسم کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اُس کے قبول کرنے اور نہ کرنے والوں کی یہ مثال ہے اور ظاہر ہے کہ "مثال" کے لئے واقعہ کا پیش آنا ضروری نہیں ہے، اگرچہ وہ واقعہ کی شکل میں ہی کیوں نہ پیش کی جائے اور یہ حقیقت کسی بھی زبان کے فصیح و بلیغ ادیب سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اور وہ جانتا ہے کہ مثال کا یہ طریقہ پند و نصیحت کے لئے کس درجہ مفید اور دل نشیں ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے قرآنِ مجید کے علوم میں سے ایک کا نام "علم تذکیر بہ ایام اللہ" رکھا ہے یعنی یہ کہ قرآنِ مجید نے پہلے لوگوں کے قصّے بیان کئے ہیں تاکہ وہ نبیوں کو جھٹلانے، اپنی قوتوں اور طاقتوں پر ناز کرنے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے والوں کا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کریں، ایمان لائیں، اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کریں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے گمراہ بندوں کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے اِن الفاظ میں خطاب کرتا ہے۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ

فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ۔[1]

(اُن لوگوں سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں اُنہوں نے بھی جھٹلایا۔ سو اُن پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کی اُنہیں خبر تک نہ تھی۔ اللہ نے اُنہیں دُنیا میں بھی ذلیل و رُسوا کیا اور آخرت کا عذاب تو یقیناً اس سے بہت بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ اِس بات کو سمجھتے۔ بے شک ہم نے اِس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ اِن سے لوگوں کو نصیحت ہو۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۔[2]

(کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور دیکھا نہیں کہ اُن سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جو قوّت، طاقت میں اور بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنانے میں اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا اور اُس وقت اُنہیں کوئی اُس سزا سے نہ بچا سکا)

کیسے پُر رُعب اور پُر جلال الفاظ ہیں۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ۔[3]

(جنہوں نے کُفر کیا تھا اور ایمان نہیں لائے تھے۔ میں نے اُنہیں پکڑ لیا اور دیکھ لیا میرا عتاب کیسا ہے۔)

فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۔[4]

(دیکھو اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ڈرائے گئے) اور جن کی اصلاح اور تہدید کے لئے ہم نے اپنے نبیوں کو بھیجا اور

---

[1]: الزُمر آیت = ۲۵ تا ۲۷

[2]: المؤمن آیت = ۲۱

[3]: فاطر آیت = ۲۶

[4]: الصّافات آیت = ۷۳

انہیں خوف دلایا مگر وہ نہ مانے۔

ایک اور جگہ معتوب اقوام کی تباہیوں اور بربادیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ [1]

(سو یہ اُن کے گھر اور کاشانے ہیں جو اُن کے کفر اور نافرمانیوں کی وجہ سے ویران پڑے ہیں۔ بلاشبہ اس ثمود کے واقعہ میں اُن لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو دانش مند ہیں۔)

انہیں جھٹلانے اور مسلمانوں کو ستانے والے قریش کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ. ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ. [2]

(ذرا دیکھو تو سہی اگر ہم اُن کو چند سال تک عیش کرنے کا موقع دے دیں۔ پھر اُن پر وہ عذاب آ پہنچے جس سے اُن کو ڈرایا جا رہا ہے۔ تو وہ اُن کا چند سالہ عیش جس سے اُنہوں نے دُنیوی فائدے اٹھائے ہیں اُن کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے)

الحاصل قصے بیان کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ اربابِ بصیرت اور عقل و دانش والے اُن سے عبرت حاصل کریں۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ رُشد و ہدایت سے اُن اقوام و ملل کی طرح منہ موڑ کر دُنیا و آخرت میں خسرانِ عظیم کا باعث نہ بنیں۔

---

[1]: النمل آیت = ۵۲

[2]: الشعراء آیت = ۲۰۵ تا ۲۰۷

قرآنی پیشین گوئیاں

قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم نے نزول کے وقت ایسی پیشین گوئیاں کی ہیں، جو بعد میں لفظ بہ لفظ صحیح ثابت ہوئیں، مثلاً

۱۔ رُوم، ایران پر غالب آجائے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۷۰ء میں ولادت باسعادت ہوئی۔ اُس وقت دو عظیم طاقتیں، رُوم اور فارس آپس میں ٹکرا رہی تھیں، ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء کے بعد تک۔ اُن کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ۶۱۰ء میں حضورؐ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں رُوم اور فارس کی جنگ کے متعلق خبریں پہنچتی رہی تھیں۔ رُوم کے نصاریٰ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی اور قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے جبکہ فارس کے آتش پرست مجوسیوں کو مُشرکینِ مکہ اپنے مذہب کے قریب سمجھتے تھے۔ ۶۱۴ء میں جبکہ حضورؐ کی عمر مبارک تقریباً ۴۵ سال تھی۔ خسرو پرویز کے عہدِ حکومت میں فارس نے رُوم کو ایک زبردست شکست فاش دی اور قیصرِ رُوم کا اقتدار بالکل فنا ہوگیا۔ بظاہر رُوم کے اُبھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مشرکین مکہ خوش تھے۔ عین ایسے موقع پر قرآن نے پیشن گوئی کی۔

وَهُمْ مِّنۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ [1]

(کہ رُومی اگرچہ فارس سے مغلوب ہوگئے ہیں تاہم نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب آجائیں گے)

چنانچہ ٹھیک نو سال کے اندر عین بدر کے دن جبکہ مسلمان فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پہ رُومی اہلِ کتاب کو غالب کر دیا۔

---

[1]: الروم آیت = ۳

۲۔ مسلمان عنقریب مسجدِ حرام میں داخل ہوں گے

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح کر کے عمرہ ادا کئے بغیر ہی واپس ہو رہے تھے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۔[1]

(تم ضرور مسجدِ حرام میں انشاء اللہ امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے۔)

اُس وقت نہ مسلمانوں کی یہ حالت تھی اور نہ کسی کو اس کا یقین آ سکتا تھا۔ مگر صلح حدیبیہ کے اگلے سال ایسا ہی ہوا۔

۳۔ کافر خدا کے نُور کو بجھا نہیں سکیں گے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔[1]

(یہ چاہتے ہیں کہ خُدا کے نُور کو اپنے مُنہ سے پھونک مار کر بجھا دیں۔ اور خُدا اپنے نُور کو پُورا کئے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگرچہ کافروں کو بُرا ہی لگے۔)

آیت کی صداقت پہ اُمت کی چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے۔ یہود و نصاریٰ، مُشرکین غرض ہر مُخالف اپنے مکر و فریب اور زور و جبر کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جا[illegible]۔ پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم انتظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکامی کا مُنہ دیکھ رہے ہیں۔

نُورِ خُدا ہے کُفر کی حرکت پہ خندہ زن ۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

---

[1] التوبۃ آیت = ۳۲

اور اب تو یہ نور دُنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ تک پہنچ چکا ہے۔

۴۔ کافر حضورؐ کو قتل نہیں کر سکیں گے

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تیار کیا گیا کہ آپؐ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اُتارا جاتا ہے آپؐ اُسے بے خوف و خطر پہنچاتے رہیئے۔ اور دُشمنوں کی پروا نہ کیجیے۔

وَاللّٰہُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [1]

(اللہ تعالیٰ آپؐ کو آپؐ کے دُشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔)

اِس آیت کے نازل ہوتے ہی آپؐ نے اپنی تمام جسمانی حفاظتوں کو چھوڑ دیا، اور فرمایا کہ خُدا تعالیٰ مجھے ہلاکت میں نہ ڈالے گا۔ اِس کے بعد مخالفین جو منصوبے باندھتے۔ تو آپؐ کو وحی کے ذریعہ مُطّلع کر دیا جاتا۔ پُوری عمر کے تریسٹھ سال تک ایسی حالت میں خدائے قادر و علیم کے سوا کون دعویٰ کر سکتا ہے، جو کامل شان اور عظمت سے پورا ہو کر رہا۔ اور کھُلی تاریخی شہادت بن گیا۔ جس کو دشمن بھی جھُٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

۵۔ حضورؐ سے اِستہزا کرنیوالے فنا ہو جائیں گے

رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ارشاد فرمایا گیا کہ خُوب دل کھول کر خُدائی پیغامات پہنچایئے اور تبلیغ میں کوتاہی نہ کیجیے۔ مُشرکین آپؐ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ [2]

(ہم نے آپؐ سے مذاق اُڑانے والوں کا فیصلہ کر دیا ہے) چنانچہ آپؐ سے استہزاء کرنے والے سب کے سب آپؐ کی زندگی ہی میں فنا ہو گئے۔

---

[1] : المائدۃ آیت = ۶۷

[2] : الحجر آیت = ۹۵

۶ - کافر مغلوب ہوں گے

قرآن نے کافروں کے بارے میں بتایا ۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ ۔ [۱]

(اے پیغمبرؐ! کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں بھی عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے ۔)

یہ چیلنج پورے اعتماد کے ساتھ کیا جا رہا ہے، جبکہ تمام اہلِ کفر و شرک، رؤسا، اُمراء، منکر و مخالف ہزاروں کی تعداد میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف ایک طوفان برپا کئے ہوئے ہیں یہ واقعہ ہے کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں سب مغلوب و مطیع ہو کر حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے ۔ جزیرۃ العرب میں مشرکوں کا خاتمہ ہو گیا، قریظہ کے بدعہد یہود لقمہ شمشیر ہوئے ۔ بنو نضیر جلاوطن ہوئے ۔ نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہو کر جزیہ دینا قبول کیا، اور تقریباً ایک ہزار سال دنیا بھر کی بڑی بڑی مغرور و متکبّر قومیں، مسلمانوں کی بلندی و برتری کی معترف رہیں ۔

۷ - حضورؐ کا ذکر بلند ہوگا

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق قرآن نے اعلان کیا ۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ [۲] (ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا)

جس زمانہ میں عرب کی اکثریت کو حضورؐ کے نام سے چڑ تھی ۔ اور لوگ آپؐ کا نام و نشان مٹانے پر تُلے ہوئے تھے ۔ ایسے تشویش ناک حالات میں دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ آپؐ کا نام اتنا بلند ہوگا ۔ کہ آپؐ کے سامنے دنیا کا ہر نام پس پشت ہو جائے گا ۔ آپؐ کا بول بولا اور آپؐ کا ذکر بلند ہوگا ۔

آج دنیا کا کونسا گوشہ ہے کہ جہاں آپؐ کا نام بلندیوں سے نہیں سُنایا جاتا ہے اور دنیا کی وہ کون سی ہستی ہے، جس کا ذکر آپؐ سے زیادہ کیا جاتا ہوں ۔ وقت کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ۔ جب دنیا کے کسی نہ کسی گوشہ سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز بلند نہ ہوتی ہو، اور کہیں نہ کہیں کے مسلمان آپؐ پر درود شریف نہ پڑھتے ہوں اور ذکر

---

[۱] : آل عمران آیت ۱۲

[۲] : الانشراح آیت ۴

نہ کرتے ہوں۔ اذان و نماز میں آپؐ کا نام داخل ہے اور ہر جگہ آپؐ کا چرچا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۸۔ دینِ اسلام کو غلبہ ہو گا

اللہ تعالٰے نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ وہ اِس دین کو تمام ادیان پہ غالب کر دے گا۔ دینِ اسلام کے متعلق اللہ نے وعدہ فرمایا۔ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[۱] (آپؐ کا دین تمام ادیان پہ غالب رہے گا) چنانچہ عہدِ رسالتؐ ہی میں یہ پیش گوئی پوری ہو گئی۔

۹۔ حضورؐ کے دشمن کی نسل کٹ جائے گی

بعض کفّار حضورؐ کی شان میں کہتے تھے کہ اِس شخص کے کوئی بیٹا نہیں، اِس لئے زندگی تک اِس کا نام ہے بعد میں اِس کو کون پوچھے گا۔ ایسے شخص کو اُن کے محاورات میں "اَبتر" کہتے تھے۔ "اَبتر" اصل میں دُم کٹے جانور کو کہتے ہیں، جس کے پیچھے کوئی نام لینے والا نہ رہے۔ گویا اُس کی دُم کٹ گئی۔ قرآن نے بتایا۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔[۲] (بے شک آپؐ کا دشمن ہی بیجھا کٹا رہے گا)

یعنی جس شخص کو اللہ خیرِ کثیر عنایت فرمائے۔ اور اَبَدُ الآباد تک نام روشن کرے، اُسے "اَبتر" کہنا پرلے درجے کی حماقت ہے، حقیقت میں "اَبتر" وہ ہے جو ایسی مقدس ہستی سے بُغض وعناد اور عداوت رکھے۔ اور اپنے پیچھے کوئی ذکرِ خیر اور اچھا اثر نہ چھوڑے، آج چودہ سو سال بعد حضورؐ کی روحانی اولاد سے دُنیا پٹی پڑی ہے اور جسمانی بیٹی کی اولاد بھی پوری روئے زمین پہ پھیلی ہوئی ہے، آپؐ کا دین، آپؐ کے پاکیزہ اثرات پُوری دُنیا میں چمک رہے ہیں، آپؐ کی یاد نیک نامی اور محبت و عقیدت کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے دوست و دشمن سب آپؐ کے اصلاحی کارناموں کا صدقِ دل سے اعتراف کر رہے ہیں۔ پھر دُنیا سے گذر کر آخرت میں جس "مقامِ محمود" پہ آپؐ کھڑے ہوں گے۔ اور جو مقبولیت اور حسنِ عقیدت آپؐ کو پوری کائنات کے سامنے حاصل

---

[۱] : الفتح آیت = ۲۸

[۲] : الکوثر آیت = ۳

ہو گئی، وہ الگ رہی، کیا ایسی متبرک اور مقدس ہستی کو "ابتر" کہا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اُس گستاخ کا خیال کرو۔ جس نے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا۔ اُس کا نام و نشان کہیں باقی نہیں، نہ آج نیکی کے ساتھ اُسے کوئی یاد کرنے والا ہے، یہی حال اُن تمام گستاخوں کا ہوا۔ جنہوں نے کسی زمانہ میں آپؐ کے بغض و عداوت پر کمر باندھی اور آپؐ کی شان مبارک میں گستاخی کی، اور اسی طرح آئندہ ہوتا رہے گا۔

۱۰۔ مومنوں کو اقتدار حاصل ہو گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو خطاب کیا گیا کہ تم میں سے جو لوگ اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کریمؐ کے کامل اطاعت گزار ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں زمین کی حکومت دے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ الخ[1]

(جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اُن سے خدا کا وعدہ ہے، کہ اُن کو ملک میں اقتدار دے گا۔ جیسا کہ اُن سے پہلے لوگوں کو اقتدار اور غلبہ دیا تھا، اور اُن کے دین کو جسے اُس نے پسند کیا ہے۔ مستحکم اور پائیدار بنا دے گا۔ اور خوف کے بعد اُن کو امن دے گا۔)

یہ اللہ کا دائمی وعدہ ہے، اگلے مسلمانوں نے اس پر عمل کیا، اور عظیم الشان حکومت استحکام دین اور سلامتی کی شکل میں اس کا بدلہ پایا، نہ صرف پورے عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ بلکہ سچی دینداری کی بدولت دُنیا کے بہت بڑے حصہ پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ یہ وُہ لوگ تھے۔ جو ابتدائے اسلام میں بھوک کی شدت اور ناداری کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ اور مسلمان ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مشرق سے مغرب تک تمام ممالک کے بادشاہ بن گئے۔ یہ اُن کے ایمان اور عمل کا پھل تھا۔ حضورؐ نے خود ہی فرما دیا تھا۔ کہ "مجھے روئے زمین کو اکٹھا کر کے تمام ممالک دکھا دیئے گئے۔ اور میری اُمت عنقریب اُن حدوں تک پہنچ جائے گی۔"

۱۱۔ پورے جزیرہ عرب پر حضورؐ کا تسلط ہو گا

کفارِ مکہ نے حضورؐ سے کہا تھا کہ تم اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبنا چاہتے ہو، اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور اس

[1] النور آیت = ۵۵

دین کو اختیار کر لیں۔ تو عرب کی سرزمین میں ہمارا جینا مشکل ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالٰے اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔[1]

(اے نبیؐ، جس خدا نے یہ قرآن تم پہ فرض کیا ہے وہ تمہیں ایک بہترین انجام کو پہنچانے والا ہے۔)

یعنی جس خدا نے اِس قرآن کی علمبرداری کا بار آپؐ پہ ڈالا ہے وہ آپؐ کو برباد کرنے والا نہیں ہے، بلکہ آپؐ کو اُس مرتبے پہ پہنچانے والا ہے جس کا تصوّر بھی یہ لوگ آج نہیں کر سکتے۔ اور فی الواقع اللہ تعالٰے نے چند ہی سال بعد حضورؐ کو اِس دنیا میں اُنہی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تمام ملکِ عرب پہ ایک ایسا مکمّل اقتدار عطا کر کے دکھا دیا۔ کہ آپؐ کی مزاحمت کرنے والی کوئی طاقت وہاں نہ ٹھہر سکی۔ اور آپؐ کے دین کے سوا کسی دین کے لئے وہاں گنجائش نہ رہی۔ عرب کی تاریخ میں اِس سے پہلے کوئی نظیر اِس کی موجود نہ تھی کہ پورے جزیرۃُ العرب پہ کسی ایک شخص کی ایسی بے غل وغش بادشاہی قائم ہو گئی ہو۔ کہ ملک بھر میں کوئی اُس کا مدِّمقابل باقی نہ رہا ہو۔ کسی میں اُس کے حکم سے سرتابی کا یارا نہ ہو اور لوگ صرف سیاسی طور پر ہی اس کے حلقہ بگوش نہ ہوئے ہوں۔ بلکہ سارے دینوں کو مٹا کر اُسی ایک شخص نے سب کو اپنے دین کا پیرو بھی بنا لیا ہو۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت ہجرتِ مدینہ کے وقت نازل ہوئی، جبکہ آپؐ کفّار کے ظُلم وستم سے تنگ آ کر مکّہ کو چھوڑ رہے تھے۔

نبی کریمؐ نے جن مایوس کُن اور یاس انگیز حالات میں مکّے سے ہجرت کی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ آپؐ آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں ہی پھر فاتح اور کامیاب ہو کر لوٹ آئیں گے۔ مگر اِس آیت میں برسوں پہلے صاف لفظوں میں وعدے کے ساتھ بتا دیا گیا تھا۔ کہ جس خدا نے قرآن پہنچایا ہے اور جس کا پیغامِ حق پہنچانے کی پاداش میں دشمنوں نے آپؐ کو بے سروسامانی کی حالت میں وطن سے نکل جانے پہ مجبور کیا ہے۔ ہم آپؐ کو پھر ایک بار آپؐ کے وطن مکّہ لوٹائیں گے۔ یہ پیشین گوئی عظیم الشّان شکل میں پوری ہوئی۔ مکہ فتح ہوا اور آپؐ فاتحانہ مکّہ میں داخل ہوئے، اِس پیشین گوئی کا حال تورات میں بھی اِن الفاظ میں موجود ہے:—

---

[1] : القصص آیت = ۸۵

"خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا، اور فاران (مکہ) کے پہاڑوں سے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔[1] انجیل میں ہے، "جو اچانک دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر ناگہاں اپنی ہیکل خانہ کعبہ میں آ گئے۔"[2]

۱۲۔ سواریوں کے متعلق پیشین گوئی

جملہ سواریوں کے متعلق جو اُس وقت موجود تھیں یا بعد میں بنائی جانے والی تھیں۔ اُن کے بارے میں قرآن نے بتایا۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ[3]

(اُسی نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ اُن پر سوار ہو، اور وہ سواریاں بھی پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں۔)

آج سے چودہ سو سال پہلے یہ کہنا "آج جن کی تم کو خبر نہیں" یہ جملہ ایسی سواریوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اُس زمانے میں روئے زمین پر موجود نہیں تھیں، اور نہ ہی جن کے متعلق اُس وقت وہم و گمان ہو سکتا تھا۔ مگر خدائے دانا و بینا نے عرب کے اُمّی نبی کی زبان سے اِس کا انکشاف فرما دیا کہ اِن سواریوں کے علاوہ اور سواریاں بھی وجود میں آئیں گی۔ اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ سائیکلیں، ریل موٹر، ہوائی جہاز جیسی سواریوں کے وجود میں آ جانے سے یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ جو موجودہ دور میں صحیح ثابت ہو چکی ہے۔

۱۳۔ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہے

اللہ تعالیٰ نے اُس دور میں جب کہ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، ارشاد فرمایا۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ[4]

(پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود اُن کی اپنی جنس (یعنی نوعِ انسانی) میں سے۔ یا اُن اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں) اِس سے تو علمی دُنیا بالکل ہی بے خبر تھی کہ حیوانات کے علاوہ بھی ہر چیز کا جوڑا ہوتا ہے۔ جو اُس زمانہ میں تو کسی فلسفی اور حکیم کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ مگر آج سائنس کی ترقی نے اِس

[1]: تورات استثناء ۳۳؍۲ [2]: انجیل کتاب یہوداہ باب ۱، ۱۴ [3]: النحل آیت = ۸

[4]: یٰسٓ آیت = ۳۶

حقیقت پر صداقت کی مُہر لگادی ہے کہ حیوانی مخلوق کے علاوہ بھی باقی مخلوقات کی تمام اقسام میں جوڑے ہیں۔ نباتاتی جوڑوں کا علم بھی حال ہی میں ڈاکٹر بوس بنگالی کے تجربات سے ظاہر ہوا ہے، بے جان مادوں تک میں مختلف اشیا جب ایک دوسرے سے جوڑ کھاتی ہیں، تب کہیں اُن سے طرح طرح کے مرکبات وجود میں آتے ہیں، خود مادّے کی بُنیادی ترکیب منفی اور مُثبت برقی توانائی کے جوڑنے سے ہوتی ہے، چنانچہ پانی اور بجلی کے تجربے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔

۱۴۔ سایہ پھیلتا اور سکڑتا ہے

سایہ ایک ناقابلِ التفات، بے قدر، بے حقیقت اور حقیر چیز نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ [1]

(تم نے اپنے پروردگار کی قدرت کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح پھیلاتا ہے۔)

اس آیت میں سایہ کو قدرت کی نشانی اور خُدا کی قابلِ توجہ کاری گری بتایا گیا ہے، یہ بات بھی اُس زمانے میں کماحقہٗ تجربے میں نہیں آئی تھی، مگر آج سائے کی کمی وبیشی پھیلنے اور سکڑنے کے راز اور قدرت کی عظمت وخُوبی کا انکشاف سینما کے پردۂ سیمیں، ٹیلی ویژن کی سکرین پہ نمایاں تر ہونے لگا ہے کہ بڑے بڑے انسان بھی حیرت زدہ ہوجاتے ہیں اور نہ معلوم اس سلسلے میں کیا کیا کرشمے ظہور میں آئیں گے۔ کیا اس حقیقت کی طرف صدیوں پہلے توجہ دلانے سے یہ بات ظاہر نہیں ہوجاتی ہے کہ قرآن نازل کرنے والا خُدا ظاہر اور پوشیدہ رازوں سے واقف ہے۔

۱۵۔ مُنہ سے نکلی ہوئی بات محفوظ رہتی ہے

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ [2]

(پس آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم! یہ اُسی طرح قابلِ یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔)

---

[1]: الفرقان آیت = ۴۵

[2]: الذاریات آیت = ۲۳

اس آیت میں جس حقیقت کی طرف بلیغ اشارہ کیا گیا ہے وہ بجا طور پر دُنیا کی تحقیق میں نہیں آسکتی تھی۔ مگر ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نے اس حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ ہمارے مُنہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں۔ وہ بعینہٖ اسی حالت میں موجود رہتے ہیں، کیا یہ کُن فیکُون کی زندہ مثال نہیں ہے؟ ہم جو الفاظ پیدا کرتے ہیں وہ نکلے ہوئے الفاظ فضا میں موجود رہتے ہیں، اگرچہ بظاہر وہ سُنے نہیں جاتے۔ مگر اُن کی موجودگی سے کون انکار کر سکتا ہے، اس پہ جس قدر غور کریں، عالمِ غیب سے متعلق کئی باتوں پہ روشنی پڑ سکتی ہے۔ نزولِ قرآن، حشر و نشر، حساب و کتاب، نامۂ اعمال، کراماً کاتبین، ایسے بے شمار مسائل ہو سکتے ہیں، جو عقل کے ادراک سے دُور اور حواس سے مخفی ہیں۔

۱۶۔ زمین کے قدرتی خزانوں کا انکشاف

اللہ تعالیٰ نے صرف یہ بات فرما کر اشارہ کر دیا۔ کہ

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔ [۱]

(وُہی تو ہے جس نے سب چیزیں تمہارے لئے زمین میں پیدا کیں)

اس صدی کے دوران میں تلاش و تحقیق سے جو خزانے زمین کے اندر سے برآمد ہوئے ہیں، اُن سے اس آیت کی صحیح حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ زمین کی تہ میں پتھر کا کوئلہ، مٹی کا تیل، پٹرول، گیس اور نہ معلوم کن کن انمول و بے نظیر چیزوں کے خزانے قدرت نے پوشیدہ رکھے ہیں، جن کی اہمیت و افادیت کے سامنے زر و جواہر بھی ہیچ معلوم ہونے لگے ہیں۔

۱۷۔ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۔ [۲]

(اے فرعون اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنے)

---

[۱] البقرہ آیت = ۲۹ [۲] یونس آیت = ۹۲

نزولِ قرآن سے بائیس۲۲ سو سال پہلے مصر کے فرعون کو اس کے انکار و سرکشی اور ظلم و غرور کی پاداش اور بے ایمانی اور بدعملی کے نتیجے میں دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا تھا۔ اور فرعون کی لاش کا نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے اور کسی کو اُس کے متعلق وہم و گمان تک باقی نہیں رہتا، کہ وہ کسی گوشہ میں محفوظ ہو سکتی ہے۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ اِس قدیم ترین واقعہ کی خبر سے مکہ کا ایک اُمّی نبیؐ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے دُنیا کو آگاہ کرتا ہے کہ فرعونِ موسیٰ کی لاش خدائے قادر و حکیم نے اس لئے اب تک محفوظ رکھی ہے کہ آئندہ نسلیں اِس سے درسِ عبرت حاصل کریں۔

لوگوں نے بڑے حیرت و استعجاب سے اِس ناممکن دعوے کو سُنا۔ مخالفین نے تمسخر اُڑایا۔ چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے، منکرین نے قرآن کی نامعقولیت اور بے حقیقت ہونے کو دُنیا کے سامنے اخبارات و رسائل اور تقریر و تحریر کے ذریعہ پیش کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مسلمان علماء صرف اتنا کہہ سکے کہ اگرچہ ہم فرعون کی لاش کا پتہ نہیں بتا سکتے۔ مگر ہمارا پختہ ایمان ہے کہ یہ بات بالکل سچی ہے، اور خُدا جب چاہے گا فرعون کی لاش کو ظاہر کر دے گا۔

چنانچہ خُدا نے اِس سائینٹیفک زمانے کو اِس طرح آگاہ کیا کہ معترضین کے دل میں یہ تحریک اُٹھی کہ مصر کے قدیم کھنڈرات اور شاہی قبرستان کی تحقیق کی جائے۔ چنانچہ آج سے ٹھیک سو سال قبل ۱۸۸۱ء میں انگلستان کے مادہ پرست افراد کے ہاتھوں مصر کے قدیم قبرستان اہرامِ مصر کے قرب و جوار میں کھدائی ہو کر حنوط کی ہوئی پتھر کے صندوقوں میں پانچ لاشیں برآمد ہوئیں ہر لاش کا حال اس کے سرہانے پتھر کی تختی پر کندہ تھا جن میں ایک لاش فرعونِ موسیٰ رعمیس ثانی کی ہے، جو عجائب خانہ میں اب بھی موجود ہے۔[1]

جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آئی ہے۔[2] آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی، اس کو موجودہ زمانے میں جبلِ فرعون کہتے ہیں، اور اِس کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمامِ فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ اِس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے، اور علاقے کے باشندے اُسی جگہ

---

[1]: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایڈیشن = ۹ جلد = ۱۷ ص ۲۲ -

[2]: یونس آیت ۹۲ - ترجمہ مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

کی نشان دہی کرتے ہیں، کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔

اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانۂ حال کی تحقیق نے فرعونِ موسیٰؑ قرار دیا ہے۔ تو اُس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں، تو اُس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی، جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔

اس قسم کی بے شمار پیشین گوئیاں قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ جو قرآنِ کریم میں حضورؐ کی ذاتِ بابرکات سے ظہور میں آئیں۔ اِس مختصر سے باب میں پوری تفصیل سما نہیں سکتی۔

عدل و مساوات اور قرآن

مسلمانوں کو زبانی اور عملی طور پر ہر لحاظ سے عدل و مساوات پر پابند رہنے کا حکم دیا گیا ہے قرآن کہتا ہے۔

(ا) وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى [1]

(ب) (جب بات کہو حق کہو اگرچہ قرابت داری کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔)

ج لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا۔ [2]

(دیکھو کسی قوم کی دشمنی و عداوت کی وجہ سے اس کے ساتھ ناانصافی نہ کرو۔ اور خواہ تمہارے عزیز ہی کا معاملہ ہو انصاف کرو۔)

(د) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ [3]

(اے ایمان والو! خدا کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی عداوت سے تم انصاف نہ کرو ضرور انصاف کرو کہ یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔)

(ل) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ [4]

(نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔)

(س) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ [5]

---

[1] : الانعام آیت = ۱۵۲
[2] : المائدۃ آیت = ۸
[3] : المائدۃ آیت = ۸
[4] : المائدۃ آیت = ۲
[5] : النساء آیت = ۱۳۵

(ایمان والو انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو خدا لگتی گواہی دو اگرچہ یہ گواہی تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں ہی کے خلاف کیوں نہ پڑے اگر اُن میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر اُن کے ساتھ مہربان ہے تو اُن کی خاطر اپنی خواہش اور نفس کی پیروی نہ کرو کہ حق ہی سے انحراف کرنے لگو اور اگر دبی زبان سے گواہی دو گے یا گواہی دینے ہی سے اعراض کرنے لگو تو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے)

(ص) وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۔ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ [1]

(تم مسلمان باقی سب لوگوں کے لئے ایک بہترین قوم کی حیثیت سے صفحہ ہستی پر لائے گئے ہو تم نیکی کا حکم کرتے ہو، اور بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر یقین رکھتے ہو ۔)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ [2]

(معاف کر دیا کرو اور درگزر کرنے کے خوگر بنو خدا نیکی کرنے والوں کا دوست ہے ۔)

(ک) وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ [3]

(غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اللہ کے دوست ہیں کہ وہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

(ل) لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۔ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔ [4]

(بھلائی اور بُرائی برابر نہیں بُرائی کے بدلے بھلائی کرو تو دشمن بھی دوست ہو جائے گا ۔)

اس دُنیا میں ہمارے دوست بھی ہیں اور دشمن بھی ۔ وہ بھی ہیں جو ہمارے اپنے ہیں اور وہ بھی ہیں جو غیر ہیں اور جب اُن کے معاملات ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہمارے دل میں مختلف جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور دشمن بھی اچھے برتاؤ سے دوست بن جاتے ہیں ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اپنی ذات کے لئے عیش و آرام مہیا کرنے کی خاطر ہم

---

[1] : النساء آیت : ۵۸ [2] : المائدۃ آیت = ۱۳

[3] : آل عمران آیت = ۱۳۴ [4] : حٰمٓ السجدۃ آیت = ۳۴ ۔

دوسروں کے عیش کو برباد نہ کریں بڑی طاقتیں تو اپنے حقوق اور اپنے نفع کے لئے دُنیا بھر کے حقوق و منافع کو پامال کرنے میں تامل نہیں کرتیں یہی وجہ ہے کہ ہر طرف اضطراب اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔

قرآن اور اقتصادی زندگی

انسانی زندگی کا آرام، راحت و سکون اور نشوو ارتقار کا راز اقتصادی حالت کی بہتری میں مضمر ہے۔ اس لئے اسلام نے فطرتِ انسانی کے ہر پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۔[۱]

(ہم نے تمہارے لئے جو اچھی اور لذیذ چیزیں اور نعمتیں پیدا کی ہیں انہیں مزے کے ساتھ کھاؤ پیو)

وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۔[۲]

(اور اچھے اور نیک کام کرتے رہو) کیونکہ

مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔[۳]

(خدا نے اپنے بندوں کے لئے جو نعمتیں، زینت و آرائش کا سامان اور پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں اُنہیں حرام کس نے کیا؟) بہ الفاظ دیگر اللہ کی نعمتوں سے آزادی کے ساتھ لطف اُٹھاؤ، تجارت کرو، روزی کماؤ، اس لئے کہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۔[۴]

(روزی کمانے اور تجارت کرنے میں کوئی گناہ نہیں) یعنی تم مال لے کر بازاروں اور میلوں میں جاؤ خرید و فروخت کرو اور یہ نہ خیال کرو کہ ان میں اس غرض سے بھی شریک ہونا گناہ ہے)

ارشاد ہوتا ہے۔

فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۔[۵]

---

۱ : البقرہ آیت = ۱۷۲ — ۲ : سبا آیت = ۱۱

۳ : الاعراف آیت = ۳۲ — ۴ : البقرہ آیت = ۱۹۸

۵ : الجمعۃ آیت = ۱۰

(جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین پر پھیل جاؤ اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ) کیونکہ

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۔ [۱]

(ہم نے تمہاری زندگی اور راحت کے تمام سامان زمین میں پیدا کر دیئے ہیں یعنی کھانے اور پہننے کی تمام چیزیں زمین میں پیدا کر دی ہیں۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ان چیزوں کا کھوج لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۔ [۲]

(بندو! ہم نے تو دن بنایا ہی اس لئے ہے کہ تم محنت و کام کر کے روپیہ کماؤ اور روزی حاصل کرو۔)

اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو روزی مقرر کر رکھی ہے اس لئے ہر آدمی کو اپنا حصہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا [۳]

(دنیا میں تمہارا جو حصہ ہے اس کی طرف سے غافل نہ رہو اور اسے نہ بھولو۔)

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ [۴]

(انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنی وہ کوشش کرے۔)

یہ ہے اقتصادیات کا تصور جو قرآن نے پیش کیا ہے کہ کمانے خرچ کرنے اور پس انداز کرنے کے طریقے کیا ہونے چاہئیں۔ اور کیا کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ البتہ چند اصول ایسے بیان کئے جن پر عمل کرنے سے معاشرہ ترقی و عروج حاصل کر سکتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ۔ [۵]

(دیکھو اپنا مال بیوقوفوں کو نہ دے دیا کرو کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس پر انسانی معیشت کے استحکام کا مدار ہے۔)

---

[۱] : الاعراف آیت = ۱۰ — [۲] : النبأ آیت = ۱۱

[۳] : القصص آیت = ۷۷ — [۴] : النجم آیت = ۳۹

[۵] : النساء آیت = ۵

یہ مال و دولت چند دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر اُن کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائے جس سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں۔ بلکہ مال وہ جائیداد ہے جس سے ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خیر گیری ہوتی رہے۔ ارشادِ باری ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ [1]

(مال و دولت تم میں سے دولت مندوں کے لئے دینے میں ہی نہ رہے۔)

اِس طرح گویا قرآن نے فرزندانِ توحید کو سعی و محنت اور ذریعۂ معاش پہ آمادہ کیا ہے اور غیر اقوام میں ترکِ دُنیا کو جو مذہبی اہمیت دی گئی ہے اُسے درست قرار نہیں دیا ہے، بلکہ قرآن کریم میں مال کو اٹھائیس [۲۸] جگہ فضل، اکیس [۲۱] جگہ خیر اور بارہ [۱۲] جگہ پہ حسنہ و رحمہ کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔

حکمت و سیاست

قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسولِ کریمؐ کے کامل پیروکار ہوں گے اللہ تعالیٰ اُنہیں زمین کی حکومت دے گا اور دینِ اسلام کو اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں قائم کرے گا وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے۔ اور دینِ حق کے بنیاد کی مضبوط کریں گے اور اللہ کے سوا اُن کو کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا [2]

(تم لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اُن سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُنہیں سلطنت و بادشاہت عطا کرے گا اِس طرح جس طرح اُس نے اُن سے پہلے نیک بندوں کو عطا کی تھی اور جس دین کو اُن

---

[1]: الحشر آیت = ۷

[2]: النور آیت = ۵۵

کے لئے پسند کیا ہے اُسے اُن کے لئے مضبوط کر دے گا اور اُن میں اُس وقت جو خوف و خطر لاحق ہے اس کے بجائے اُنہیں پورا پورا امن عطا کرے گا۔)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ[۱]

(ہمارے صالح و نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے اِس قسم کی بشارت سُن کر خُدائے واحد کی بندگی کرنے والے اپنے مطلب کو پہنچتے ہیں۔)

اِن لوگوں کو فرمانروائی حاصل ہوگی کیونکہ اِن سے پہلے وہ آلِ ابراہیم کو دیگر نعمتوں کے علاوہ سلطنتِ عظیم بھی عطا کر چکا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے۔

فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا۔[۲]

(بے شک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ہم نے اُنہیں سلطنتِ عظیم بھی عطا کی تھی۔)

مومنوں سے یہ بھی کہا گیا۔

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ۔[۳]

(خُدا تعالیٰ تمہاری مدد پر ہو تو پھر کوئی بھی تم پر غالب نہ ہو گا۔) کیونکہ

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔[۴]

(مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے لئے لازمی امر ہے) اِس لئے کہ

اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔[۵]

(بے شک اللہ کے گروہ ہی غالب رہیں گے)

۱: الانبیاء آیت = ۱۰۵۔۱۰۶ ۲: النساء آیت = ۵۴

۳: آل عمران آیت = ۱۶۰

۴: الروم آیت = ۴۷

۵: المائدۃ آیت = ۵۶

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔[1]

(تو نہ تم سستی کرو اور نہ ہی غم کھاؤ اگر تم ایمان والے ہوئے تو تم ہی غالب رہو گے) اس آیت میں بھی یہی ارشاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا منشا بھی یہی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ ۔[2]

(ہم چاہتے ہیں کہ اُن لوگوں پر احسان کریں جو کمزور سمجھے جاتے ہیں اور انہیں ملک میں پیشوا بنا دیں اور اُن کو وارث کر دیں اور نہ صرف یہ بلکہ انہیں دُنیا میں مضبوطی کے ساتھ اقتدار بھی دے دیں۔)

سلطنت و فرمانروائی کے وعدے اُس زمانے میں کئے گئے جبکہ مسلمانوں پر ہر طرف سے ظلم و تشدد کا ایک سیلاب اُمڈا ہوا تھا۔ اُن مسلمانوں سے یہ وعدے کئے جا رہے تھے جن پر کفار نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اور جن کا بظاہر قیامت تک برسرِ اقتدار آنا تو ایک طرف امن و امان کیساتھ زندگی بسر کرنا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ جھوٹ نہیں ہوتا۔ اُس نے ایک قلیل مدت ہی میں دکھا دیا کہ نہ صرف عرب کے زور آور اُن کے سامنے جھکے ہوئے ہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کے تخت بھی انہیں کی ملکیت ہیں۔

قرآن مجید اور سائنس

قرآن مجید کوئی سائنس۔ فلسفہ۔ ہیئت اور طبعیات کی کتاب نہیں اور نہ اُسے یہ دعویٰ ہے کہ وہ دُنیا کو علم موالید ثلاثہ، علم حیوانات، علم نباتات، علم برقیات یا آہن سازی، آہنگری، اور نجاری و بیطاری کی تعلیم دیتی ہے وہ دُنیا کو صرف تہذیب و اخلاق تزکیۂ نفس اور زندگی کے اُصول و قوانین سکھانے والی کتاب ہے۔ اور بندوں کو عروج و ارتقاء کی بلندیوں پر پہنچا کر سعادتِ انسانی کے آخری مرتبہ پر پہنچانے والی کتاب ہے۔ پھر بھی اِس میں ایسے نکات، ایسے اشارات اور ایسے رموز موجود ہیں کہ ہر علم و فن اور پیشہ کے متعلق راہنمائی ہو سکتی ہے

---

[1] : آل عمران آیت = ۱۳۹

[2] : القصص آیت = ۵ - ۶

کشش ارضی اور قرآن

آج تک نئی نئی سرگرمیوں، نئی نئی تحقیقاتوں اور فلسفہ و سائنس سے جو نئے انکشافات ہوئے ہیں نئی باتیں معلوم معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی بنا پر جب کسی نے قرآن پر اعتراض کیا ہے تو اس کا جواب قرآن ہی سے اُسے ملا۔ علوم و فنون میں جتنی ترقی ہوتی جائے گی۔ قرآن کی عظمت کا اظہار بھی اتنا ہی ہوتا چلا جائے گا۔ نیوٹن کی بڑی شہرت ہے کہ اس نے زمین کی کشش کا راز معلوم کر لیا۔ اور دُنیا کو بتایا کہ زمین کی ہر طرف ہر چیز کھینچتی ہے۔ لیکن قرآن کریم نیوٹن سے صدیوں پہلے اس حقیقت کو اس وقت بیان کر چکا ہے۔ جبکہ دُنیا کو اس کا تصور بھی نہ تھا۔ اور ہر جگہ نظام بطلیوس کا اعتقاد پھیلا ہوا تھا۔

قرآن مجید میں ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۔ [1]

(کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا جو زندوں اور مُردوں کو اپنی طرف سمیٹتی اور کھینچتی ہے) زندہ مخلوق اسی زمین پر بسر کرتی ہے اور مُردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔)

کشش شمسی اور قرآن

زمانہ جدید کی تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ اگر کرۂ ارض پر پہاڑ نہ ہوتے۔ تو پہاڑوں کے نہ ہونے سے اس کرۂ ارض کا ثقل کم ہو جاتا۔ اور آفتاب کی کشش اُسے ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ پہ نہ رہنے دیتی۔ بلکہ یہ زمین اپنے موجودہ مدار اور مقررہ مقام کو چھوڑ کر آفتاب سے جا لگتی۔ لیکن قرآن کریم میں صدیوں پہلے یہی حقیقت بیان کر دی گئی تھی۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ [2]

(ہم نے زمین میں میخیں لگا دی ہیں کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنے پائے اور آفتاب کی کشش اُسے اپنی طرف نہ کھینچ لے)

۱: المرسلات آیت = ۲۵، ۲۶

۲: الانبیاء آیت = ۳۱

اجزائے نظامِ شمسی اور توانائی

تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل فرانس کے ایک ہیئت دان نے پہلی مرتبہ اپنی تحقیق کا اعلان کیا کہ آفتاب اپنے متعلقہ ستاروں کے ساتھ کسی خاص سمت کو جا رہا ہے۔ اور نظامِ شمسی میں گونہ تغیّر رُونما ہو چلا ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر آفتاب اپنی جگہ ساکن اور قائم مانا جاتا تھا۔ لیکن قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا چنانچہ ارشاد ہے

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔[1]

(اور سورج ہے کہ اپنے اُن مکانوں پہ چلتا ہے جو اُس کے واسطے مقرر ہیں یہ حکم خداوند غالب جاننے والے کا ہے)

سورج کی چال اور رستہ مقرّر ہے۔ اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے۔ کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکّر میں جس جس ٹھکانہ پہ اُسے پہنچنا ہے۔ پھر وہاں سے اللہ کے حکم سے نیا دورہ شروع کرتا ہے۔ قیامت کے قریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس کو حکم ہو گا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے اُدھر سے اُلٹا واپس آئے۔ بات یہ ہے کہ اس کے طلوع اور غروب کا یہ سب نظام اس زبردست ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

سورج اور چاند کی روشنائی اور قرآن

سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ سورج ذاتی طور پر روشن ہے۔ اس میں جو روشنی ہے وہ خود اس کی ہے۔ اور چاند کی روشنی اپنی روشنی نہیں۔ بلکہ اسے یہ عاریتاً سورج سے ملی ہوئی ہے۔ اِس انکشاف سے بڑی مسرّت کا اظہار کیا گیا۔ لیکن یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ بلکہ قرآنِ مجید اس سے پہلے ہی اس پہ روشنی ڈال چکا ہے کہ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا۔[2]

(وہی قادرِ مطلق ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن)

---

[1]: یٰس آیت = ۳۸

[2]: یونس آیت = ۵

عربی میں "ضیاء" اُس روشنی کو کہتے ہیں۔ جو ذاتی ہو اور عارضی روشنی یا اس روشنی کو جو دوسری چیز سے اخذ کی جائے اُسے "نور" کہتے ہیں۔

چاند اور سُورج کی گردش اور قُرآن

سائنس دانوں اور مُحققین نے اب یہ معلوم کیا ہے۔ کہ چاند اور سُورج اپنے محور پر گھومتے اور گردش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم اس مسئلہ کو بھی بہت پہلے ظاہر کر چکا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ [1]

(سُورج اور چاند گردش میں ہیں۔)

اِن کا طُلوع و غُروب، گھٹنا، بڑھنا۔ یا ایک حالت پر قائم رہنا۔ پھر اُن کے ذریعہ سے موسموں کا بدلنا اور مختلف رُخ سے اثر ڈالنا۔ یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے تحت ہے۔

لوہا اور قُرآن

لوہا بہت معمولی چیز ہے۔ کام اِس سے ہر زمانہ میں لیا گیا۔ لیکن جو اہمیّت اس کی موجودہ زمانہ میں ظاہر ہوئی، وہ کسی وقت نہ تھی۔ جہازوں میں، ریلوں میں، پُلوں میں، کل پُرزوں میں، آلاتِ جرّاحی میں، مشینری میں، سب کچھ اسی کی کارفرمائی نظر آرہی ہے۔ اور سونے سے زیادہ اہمیّت اسے حاصل ہو چکی ہے۔ قرآن مجید کا کمال دیکھئے کہ اس نے چاندی اور سونے جیسی گراں بہا چیزوں کے متعلق نہیں، لوہے جیسی شے کے لئے صاف فرما دیا۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ [2]

(اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں سخت لڑائی ہے اور اس میں انسانوں کے لئے بہت سی منفعتیں مضمر ہیں۔)

یعنی ہم نے اپنی قدرت سے لوہا پیدا کیا جس سے لڑائی کا سامان ہوتا ہے اور لوگوں کے بہت سے کام چلتے ہیں۔

---

[1] :۔ الرّحمان آیت = ۵

[2] :۔ الحدید آیت = ۲۵

بداخلاقیوں کے خلاف قرآنی جہاد

بُرائیوں، گناہوں اور جرائم سے بچنے، باز رہنے اور اجتناب کے متعلق قرآن کریم حکم دیتا ہے۔

۱۔ گناہ کے کاموں میں مدد نہ کرو

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔[۱]

(گناہ اور ظلم کے کاموں میں کسی کی مدد نہ کرو۔ اور نہ ہی ساتھ دو۔)

۲۔ بُرے آدمی کا اعتبار نہ کرو

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ[۲]

(ایسے شخص کا اعتبار نہ کرو، کہنا نہ مانو، اطاعت نہ کرو، جو قسمیں زیادہ کھاتا ہو، وہ ذلیل ہے، طعنے دینے والا ہے، چغلیاں کھاتا ہے۔ نیک کام سے روکتا ہے)

۳۔ بُرے گمان سے بچو

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔[۳]

(لگائی بجھائی کرنا بہت بُرے کام ہیں۔ ان سے بچتے رہو)

۴۔ بُرے کاموں سے بچو

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ[۴] الخ

ف۱ : سورۃ المائدۃ آیت = ۲
ف۲ : القلم آیت = ۸ تا ۱۰
ف۳ : الحجرات آیت = ۱۲
ف۴ : الحجرات آیت = ۱۱

(بدگمانیاں نہ کرو۔ کسی کے بھید کا پتہ لگانے کی جستجو میں نہ رہو، غیبت نہ کرو۔ کسی کا مذاق نہ اڑاؤ۔ کسی سے تمسخر نہ کرو، نکتہ چینی اور عیب جوئی سے پرہیز کرو۔ کسی کو چڑاؤ نہیں۔ بُرے القابوں سے کسی کو نہ پکارو۔ بُرے نام نہ رکھو)

۵۔ سُود نہ لو

لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً [۱]

(دُگنا چوگنا سُود نہ لو)

۶۔ جُوا اور شراب شیطانی عمل ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ [۲]

(ایمان والو! شراب، جُوا، پانسے (لاٹری) اور بُت سب شیطانی کام ہیں۔ ان سے قطعی احتراز کرو۔ تاکہ تمہیں فلاح اور کامیابی حاصل ہو، شیطان کا مقصد یہ ہے کہ وہ شراب اور جُوئے سے تمہارے اندر بُغض اور عداوت ڈالے۔ اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو کیا اب بھی تُم ان سے باز نہ آؤ گے؟)

۷۔ چار چیزیں حرام ہیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ [۳]

(تم پر مُردار، خون، سُور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام ہے)

۸۔ مومن کو قتل نہ کرو

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا [۴]

---

[۱] آل عمران آیت = ۱۳۰ [۲] المائدہ آیت = ۹۰۔۹۱ [۳] المائدہ آیت = ۳ [۴] النساء آیت = ۹۲

(مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔)

۹۔ بے حیائی کے قریب نہ جاؤ

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ [۱]

(بے حیائی کے کام خواہ بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہوں، مگر درپردہ حیا سوزی پر مبنی ہوں۔ خواہ علانیہ بُرے ہوں، اُن کے پاس بھی نہ جاؤ۔ بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ اس کی نوعیت کیسی ہی ہو۔ ظاہر ہو یا پوشیدہ، کھلے بندوں کئے جائیں یا عوام کی نگاہ سے دور رہ کر۔)

۱۰۔ احسان کر کے زیادہ بدلہ نہ طلب کرو

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ [۲]

(یہ نہ کر۔ کہ احسان کرے اور اس کا بدلہ بہت چاہے)

۱۱۔ زنا سے بچو

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً۔ [۳]

(زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ یہ بڑی ہی بے حیائی کا کام ہے۔)

۱۲۔ بات اور عمل میں تضاد نہ ہو

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ [۴]

(ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو) جو نہیں کرتے وہ نہ کہو، جو کرو وہی کہو۔

---

[۱]: الانعام آیت = ۱۵۲ [۲]: المدثر آیت = ۶

[۳]: بنی اسرائیل آیت = ۳۲ [۴]: الصف آیت = ۲

۱۳۔ مقروض کے ساتھ نرمی کرو

وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ۔[1]

(اگر کوئی مقروض تنگدست ہو تو اُسے اُس وقت تک کی مُہلت دے جب تک کہ وہ قرض ادا کرنے کے قابل ہو۔)

۱۴۔ کمی نہ کرو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَھُمْ۔[2]

(لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو)

۱۵۔ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ۔[3]

(ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔)

۱۶۔ لڑائی جھگڑا نہ کرو

وَلَا تَنَازَعُوْا[4] وَلَا تَفَرَّقُوْا۔[5]

(آپس میں نہ لڑائی جھگڑے کرو۔ اور نہ پھوٹ ڈالو۔)

۱۷۔ امانت میں خیانت نہ کرو

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا۔[6]

---

[1]: البقرہ آیت = ۲۸۰ [2]: ھود آیت = ۸۵ [3]: ھود آیت = ۸۴
[4]: الانفال آیت = ۴۶ [5]: آل عمران آیت ۱۰۳ [6]: النساء آیت = ۵۸

(امانت داروں کی امانتیں دے دیا کرو۔اور خیانت نہ کیا کرو)

۱۸۔ عورتیں سرِ عام زیب و زینت نہ کریں

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔[1]

(زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو تم تتلی بن کر باہر نہ نکلو۔)

۱۹۔ عورتوں کو نہ ستاؤ

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا۔[2]

(عورتوں کو ستانے کے لئے گھروں میں نہ روکو۔اور نہ اُن پر زیادتی کرو۔)

۲۰۔ ناانصافی نہ کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا۔[3]

(عداوت اور دشمنی کی وجہ سے کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کرو۔)

۲۱۔ وعدہ پورا کرو

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ۔[4]

(جب تم نے اللہ سے عہد کیا تو اُسے پورا کرو۔)کسی کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرو۔

---

[1]: الاحزاب آیت = ۳۳   [2]: البقرۃ آیت = ۲۳۱

[3]: المائدۃ آیت = ۸

[4]: النحل آیت = ۹۱

عظمتِ قرآن کریم

حافظ محمد یونس

شعبۂ دعوت و ارشاد

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد

(پاکستان)